ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

38

22 اکتوبر 2003ء — 25 شعبان 1424ھ

www.tanzeem.org

جلد 12 شمارہ 1

ضمیمہ "عراق نمبر"

- بوسنیا سے بغداد تک
- تاریخ کے دھارے کے خلاف
- اُمید و بیم کے درمیان

انوارِ مدینہ

ماہِ شعبان کی فضیلت

مولانا نعیم الدین صاحب

یوں تو ہر دن، ہر مہینہ، ہر سال ہی محترم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے، مگر کچھ دن اور مہینے ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خاص فضیلت عطا کی ہے۔ اُن میں سے ایک مہینہ شعبان المعظم کا بھی ہے۔ اس مہینہ کی احادیثِ مبارکہ میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان اللہ تعالیٰ کا"۔ (مسند فردوس دیلمی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب رجب المرجب کا مہینہ شروع ہوتا تو آپؐ یوں دعا فرماتے: "یا اللہ! رجب اور شعبان کے مہینے میں ہمارے لئے برکت فرما اور خیریت کے ساتھ ہم کو رمضان تک پہنچا۔" (ابن عساکر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: "جناب رسول اللہ ﷺ (شعبان میں) اتنے زیادہ روزے رکھتے کہ ہم کہتے کہ اب آپؐ افطار نہ کریں گے اور کبھی آپؐ افطار کئے جاتے (یعنی روزے ہی نہ رکھتے)، یہاں تک کہ ہم کہتے کہ اب آپؐ روزے نہیں رکھیں گے، اور میں نے آپؐ کو کسی مہینہ میں شعبان کے مہینے سے زیادہ (نفلی) روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔" (بخاری و مسلم)

اس حدیث کے پیشِ نظر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزے کیوں رکھتے تھے؟ تو اس کی وجہ بھی حدیث میں موجود ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت اُسامہؓ نے ایک مرتبہ آپؐ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں آپؐ کو شعبان میں زیادہ روزے رکھتے ہوئے دیکھتا ہوں، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپؐ نے جواب دیا کہ: "شعبان ایسا مہینہ ہے جو رجب اور رمضان کے درمیان ہے، لوگ اس کی فضیلت سے غافل ہیں، اس مہینہ میں اللہ ربّ العالمین کے حضور میں لوگوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں، میری آرزو یہ ہے کہ جب میرے اعمال پیش ہوں تو میرا شمار روزہ داروں میں ہو۔" (نسائی) ماہِ شعبان المعظم میں ایک رات آتی ہے جو بڑی فضیلت والی رات ہے۔ اس رات کے کئی نام ہیں: (۱) لیلۃ البراءۃ. یعنی دوزخ سے بری ہونے کی رات (۲) لیلۃ الصّک. یعنی دستاویز والی رات (۳) لیلۃ المبارکۃ. یعنی برکتوں والی رات۔

عرفِ عام میں اسے شبِ براءت کہتے ہیں۔ شب کے معنی فارسی زبان میں رات کے ہیں اور براءت عربی کا لفظ ہے جس کے معنی بری ہونے اور نجات پانے کے ہیں۔ یہ شعبان کی پندرہویں شب کو ہوتی ہے۔ احادیث مبارکہ میں اس شب کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں شب کو آسمانِ دُنیا پر نزول فرماتے ہیں اور قبیلۂ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ گنہگاروں کی بخشش فرماتے ہیں۔" (ترمذی و ابن ماجہ)

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے: "جب شعبان کی پندرہویں شب آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہے کہ کیا کوئی بخشش کا طلب گار ہے کہ میں اُس کو بخش دوں، کیا کوئی رزق مانگنے والا ہے کہ میں اسے رزق دوں، کیا کوئی مصیبت زدہ ہے کہ میں اُسے (تکلیف) سے نجات دوں، کیا کوئی ایسا ہے، کیا کوئی ایسا ہے!! غرض تمام رات اسی طرح دربار رہتا ہے اور عام بخشش کی بارش ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ فجر ہو جاتی ہے (اور دربار برخاست ہو جاتا ہے)۔" (بیہقی)

سورۃ البقرۃ (آیت 256)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾

''دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت (صاف طور پر ظاہر اور) گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔ تو جو شخص بتوں سے اعتقاد نہ رکھے اور خدا پر ایمان لائے اُس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں۔ اور خدا (سب کچھ) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے۔''

دین میں کوئی جبر نہیں۔ یعنی کسی شخص کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ایسا کرنے کی ممانعت ہے۔ اسلام جو بھی قبول کرے گا اپنی آزاد مرضی سے کرے گا۔ اور اگر کبھی کسی نے کسی شخص کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا تو یہ اس شخص کا ذاتی فعل ہے۔ اس کے اس فعل کی تحسین نہیں کی جائے گی۔ ہاں' اس کا یہ مطلب بھی صحیح نہیں کہ نظامِ باطل کو مٹانے کے لئے بھی کوئی طاقت استعمال نہیں ہو سکتی۔ اگر کسی کا یہ خیال ہو تو یہ نری حماقت ہے۔ نظامِ باطل ظلم ہے' یہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان حجاب بن گیا ہے۔ ایسے نظام کو طاقت کے ساتھ ختم کرنا فرض ہے۔ ہاں' اگر مسلمانوں میں نظامِ باطل کو ختم کرنے کی طاقت نہیں تو اس کے لئے طاقت حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہیں' کیونکہ جس مسلمان کے دل میں باطل نظام کو مٹانے کی آرزو اور تمنا نہیں' اس کے دل میں تو ایمان ہی نہیں۔ طاقت اور جبر نظام کو تبدیل کرنے پر صرف کیا جائے گا' مگر کسی فرد کو مجبوراً مسلمان نہیں بنایا جائے گا۔ یہ ہے اس آیت کا صحیح مفہوم۔

رشد و ہدایت واضح ہو چکی۔ غلط راستے اور شیطانی پگڈنڈیاں صراطِ مستقیم سے الگ کر دی گئیں۔ تو اب اس وضاحت کے بعد جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لے آیا تو گویا اس نے مضبوط کنڈا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔

دیکھئے اللہ پر ایمان لانے سے پہلے طاغوت سے انکار ضروری ہے۔ یہ طاغوت کیا ہے؟ یہ لفظ طغیٰ سے ہے جس کا معنی ہے سرکش۔ جس نے اپنی حاکمیت کا اعلان کیا وہ طاغوت ہے' جس نے غیر اللہ کی حاکمیت تسلیم کی وہ طاغوت ہے۔ اس کے تحت بننے والے تمام ادارے چاہے وہ کتنے ہی خوشنما ہوں' وہ طاغوت ہیں۔ ایسی عدلیہ طاغوت ہے جو اللہ کے قانون کو چھوڑ کر لوگوں کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے کر رہی ہے۔ یوں جو بھی حدودِ بندگی سے تجاوز کرتا ہے' وہ طاغوت ہے۔ اسی سے لفظ طغیانی بنا ہے۔ جب دریا کا پانی اس کی حدود سے تجاوز کر رہا ہو تو کہتے ہیں کہ دریا میں طغیانی آ گئی ہے۔

طاغوت کا انکار اور اللہ پر ایمان تو مطلوب ہے' لیکن اللہ پر بھی ایمان اور طاغوت کے ساتھ بھی دوستی' اللہ پر ایمان اور ساتھ ہی اللہ کے دشمنوں کے ساتھ یارانہ اور وفاداری' یہ نہیں ہو سکتا۔ یہی تو منافقت ہے۔ اور اگر طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا تو گویا اس نے مضبوط کنڈا پکڑ لیا۔ اگر کوئی شخص بحری جہاز سے سمندر میں گر پڑا' تیرنا نہیں جانتا' مگر ہاتھ پاؤں مار کر اُس نے جہاز کے کنڈے کو پکڑ لیا تو اب اس کی زندگی کنڈے کی مضبوطی سے وابستہ ہے۔ اگر کنڈا کمزور ہے تو وہ ڈوبا ہی ڈوبا۔ لیکن کنڈا مضبوط ہے تو پھر سلامتی ہی سلامتی ہے۔ اور طاغوت کا انکار اور اللہ پر ایمان تو وہ کنڈا ہے جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔ یہ کنڈا بہت مضبوط ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔

افضل ترین اور عقل مند مؤمن

چوہدری رحمت اللہ بر

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَفْضَلُ وَاَيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَكْيَسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((اَفْضَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَاَكْيَسُهُمْ اَكْثَرُهُمْ لِلْمَوْتِ ذِكْرًا وَاَحْسَنُهُمْ لَهُ اِسْتِعْدَادًا ' اُولٰئِكَ الْاَكْيَاسُ)) (رواہ البیھقی فی الزھد الکبیر)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کی کہ کون سا مؤمن سب سے افضل ہے اور کون سا مؤمن سب سے زیادہ عقل مند ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مؤمنوں میں سے افضل ترین مؤمن وہ ہے جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو اور سب سے عقلمند وہ ہے جو موت کو سب سے زیادہ یاد رکھنے والا ہو اور سب سے زیادہ موت کے لئے تیاری کرنے والا' سب سے زیادہ عقل والا ہے۔''

انسان کا کردار ہی اس کے خیالات کی شہادت ہوتی ہے۔ اس لئے اگر ایمان ہے تو اس کا ظہور اخلاق ہی میں تو ہوگا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بندہ مؤمن بھی ہو اور اس کا کردار اچھا نہ ہو!

16-10

ترکی کا فیصلہ اور پاکستان

آج 15 اکتوبر کو چار روز کے لئے ملائیشیا کے دارالحکومت کوالالمپور میں اسلامی کانفرنس تنظیم (او آئی سی) کے پچاس سے زیادہ مسلم ممالک کے سربراہ یا اُن کے وزرائے خارجہ جمع ہو رہے ہیں تاکہ اُمت مسلمہ کو درپیش گھمبیر مسائل پر سنجیدگی سے غور و فکر اور صلاح و مشورت کر کے کوئی قابلِ عمل حل نکال سکیں۔ اس اجلاس کے سامنے جو بڑے بڑے مسائل پیش ہوں گے اُن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ کون کون سے مسلم ممالک ہیں جن پر امریکا کا دباؤ ہے کہ وہ اُس کی مدد کے لئے عراق میں اپنے فوجی دستے بھیجیں۔ ان میں سے دو ممالک ترکی اور پاکستان خاصی اُلجھن میں چلے آرہے ہیں۔ آج کے اخبارات میں امریکی وزارتِ خارجہ کے ایک عہدے دار کا یہ بیان شائع ہوا ہے کہ ترکی پارلیمنٹ نے تو اپنی فوج بھیجنے کا اعلان کر دیا ہے' دسمبر تک پاکستان بھی اعلان کر دے گا۔ اس طرح او آئی سی کے اہم اجلاس میں ترکی واحد مسلم ملک ہوگا جس نے اجلاس کے انعقاد سے چند روز قبل ہی امریکی دباؤ تسلیم کرنے کا اعلان کر دیا اور اتنی سی اخلاقی جرأت کا بھی مظاہرہ نہ کیا کہ اپنا فیصلہ او آئی سی کے اجلاس تک ملتوی کر دیتا' بلکہ اُس نے سیاسی طور پر یہ زیادہ موزوں خیال کیا کہ اپنا فیصلہ سنانے کے بعد اجلاس میں شریک ہو۔

امریکا جس بری طرح سیاسی' معاشی اور فوجی لحاظ سے عراق کی دلدل میں پھنس گیا ہے' اس سے نکلنے کے لئے اور آئندہ سال امریکی صدارتی انتخابات لڑنے کے لئے صدر بش کے لئے یہ انتہائی ضروری ہو گیا ہے کہ وہ عراق سے امریکی و برطانوی فوج واپس بلائے اور یہ خلا پُر کرنے کے لئے ہر قیمت پر دو چار مسلم ملکوں کی فوج وہاں جلد از جلد تعینات کرائے۔ اس وقت 34 ممالک کے ایک لاکھ 55 ہزار فوجی عراق میں موجود ہیں' جن میں سے ایک لاکھ 30 ہزار امریکی اور تقریباً دس ہزار برطانوی ہیں۔ امریکا کو سب سے زیادہ توقع اپنے دو پرانے حواریوں سے ہے ایک ترکی اور دوسرا پاکستان۔ ترکی کی پارلیمنٹ نے اپنی فوج بھجوانے کا فیصلہ کر کے پاکستان کی موجودہ حکومت یعنی جنرل پرویز مشرف کو مزید مخمصے میں ڈال دیا ہے' اور امریکا کو پاکستان پر دباؤ ڈالنے کا ایک اور موقع فراہم کر دیا ہے۔ گزشتہ دو تین ہفتوں میں امریکا اور پاکستان کے اعلیٰ فوجی اور سول عہدے داروں میں جو سرگرم ملاقاتیں اور مذاکرات ہوئے ہیں' اُن کا اصل مقصد و منشا یہی تھا کہ پاکستان بھی اپنی کم از کم دس ہزار فوج عراق بھیجنے کا اعلان کرے۔ جنرل مشرف اور اُن کے وزیر اعظم اور وزیر خارجہ اب تک تین باتوں پر زور دیتے رہے ہیں کہ اقوام متحدہ کی قرارداد' دوسرے مسلم ملکوں کا رویہ اور پاکستانی پارلیمنٹ کی منظوری۔ ترکی کے فیصلے نے موخر الذکر دو اُمور میں پاکستان کی راہ تنگ کر دی ہے۔ ترکی نے اپنے فیصلہ اپنے مفادات کے لئے کیا ہے۔ وہ نیٹو کا ممبر ہے۔ وہ یورپی یونین کا رکن بننے کا خواہشمند ہے۔ اُسے امریکا کی اقتصادی امداد کی سخت ضرورت ہے' شمالی عراق میں کردوں کی وجہ سے ترکی کی سلامتی کی مجبوریاں ہیں۔

ان وجوہ سے ترکی اخلاقی طور پر مجبور تھا' لیکن پاکستان کسی بھی لحاظ سے مجبور نہیں ہے کہ وہ عراق میں امریکی قبضہ برقرار رکھنے پر اُس کی مدد کرے۔ ایسی مدد کرنے پر امریکا اُس کو کچھ مالی امداد فراہم کر دے گا اور زبانی کلامی کشمیر کے مسئلے پر ایک اخباری بیان جاری کرا دے گا۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ امریکا اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل میں جو قرارداد منظور کرانا چاہتا ہے' اُس کے مسودے جرمنی' روس اور فرانس حتیٰ کہ سیکرٹری جنرل کوفی عنان بھی مسترد کر چکے ہیں۔ روس کے صدر پوتین نے عراق کی موجودہ صورت حال کو افغانستان کی اُس پیچیدہ صورت حال کے مشابہ قرار دیا ہے جو اُسے وہاں روسی فوجیں بھیجنے اور واپس نکالنے میں پیش آئی تھی۔ یہ تمام حالات و واقعات جنرل مشرف اور اُن کی حکومت کو اشارے دے رہے ہیں کہ وہ عراق میں پاکستانی فوج بھیجنے کے معاملے میں وہی موقف اختیار کریں جو بھارت نے اختیار کر رکھا ہے کہ اقوام متحدہ کی قرارداد آنے کے باوجود بھارتی فوج امریکا کی مدد کے لئے یا دوست ملک عراق میں امن و امان اور تعمیر نو کے نام پر عراق نہیں بھیجی جائے گی۔ پوری پاکستانی قوم کو معلوم ہے اور یہ بات حکومت کو بھی یاد رکھنی چاہئے کہ ہم امریکا کی طشتری میں اپنا سب کچھ رکھ کر پہلے ہی دے چکے ہیں' اور اب اس طشتری میں کچھ رکھنے کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہے۔ خواہ اقوام متحدہ کی قرارداد آئے' او آئی سی کی قرارداد آئے' ہماری اپنی (مجبور) پارلیمنٹ کی منظوری آئے' پاکستان کو اپنی سلامتی' آزادی اور خود مختاری کی قسم' امریکی دباؤ کے سامنے گردن میں مزید خم پیدا کرنے کی گنجائش نہیں رہی۔ (ادارہ)

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیامِ خلافت کا نقیب

ندائے خلافت

جلد	16 تا 22 اکتوبر 2003ء	شمارہ
12	۱۹ تا ۲۵ شعبان ۱۴۲۴ھ	38

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر: حافظ عاکف سعید

مدیر (اشاعتِ خصوصی): سید قاسم محمود

نائب مدیر: فرقان دانش خان

مجلس ادارت

ڈاکٹر عبدالخالق۔ مرزا ایوب بیگ

سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری

مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67۔ گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ لاہور

فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110

E-Mail:markaz@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ: 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک...... 250 روپے

بیرون پاکستان

یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)

امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)

محترم ڈاکٹر اسرار احمد سے سوال و جواب کی نشست

س: نماز کے بعد تسبیح 33 مرتبہ کرنی چاہئے یا زیادہ بار؟

ج: جو حضور ﷺ نے فرمایا جسے تسبیح فاطمہ کہتے ہیں وہ 33 بار سبحان اللہ 33 بار الحمدللہ اور 34 بار اللہ اکبر ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔

س: آپ نے جمعہ کے خطاب میں نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کا حوالہ دیا کہ میں علم کا شہر ہوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ ہیں لیکن آپ کے رفیق یوسف سلیم چشتی مرحوم اپنی کتاب ''اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش'' میں اس حدیث کی سند پر اعتراض کرتے ہیں۔

ج: ممکن ہے کہ کسی محدث نے اس حدیث کی سند پر اعتراض کر دیا ہو لیکن بعض احادیث مقبول عام ہیں اور ہم سنی بھی ان کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس میں ایسی کوئی بات نہیں۔ حضور ﷺ نے اپنے مختلف صحابہ کی مختلف فضیلتیں بیان کی ہیں۔ جیسے فرمایا: میری امت کے حق میں سب سے رحیم اور شفیق حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہیں ــــ اور اللہ کے معاملات میں سخت ترین حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ جو کوئی کمپرومائز کرنے کو تیار نہیں ــــ حیاء کا وصف سب سے زیادہ شدید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں تھا ــــ کوئی مقدمہ ہو، کوئی معاملہ ہو تو قضا یعنی فیصلے کرنے کی بہترین صلاحیت حضرت علی رضی اللہ عنہ میں تھی۔ چونکہ یہ چار صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے خلفاء راشدین ہیں اس لئے ان کا ذکر ہوتا ہے ورنہ ان کے علاوہ بھی ہیں ــــ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا اندر اور باہر ایک ہے، جو کچھ کہتے ہیں اور جو کچھ دل میں ہے، بالکل ایک ہوتا ہے۔ اس میں کوئی فرق و تفاوت نہیں ہوتا ــــ اور فرمایا کہ میرے صحابہ میں حلال اور حرام یعنی فقہ کے قوانین کے سب سے زیادہ جاننے والے حضرت معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ اسی طرح فرمایا کہ میرے صحابہ میں سے سب سے بڑے قاری حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس طرح مختلف صحابہ کی مختلف اور انفرادی شان بیان ہوئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ علم کے معاملے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ وہ بہت بڑے خطیب، شاعر اور ادیب تھے۔ انہوں نے ہی گرامر مرتب کی ہے۔ اس سے پہلے عربی زبان کی کوئی گرامر نہیں تھی۔ اب یہ تو شیعہ سنی کے فرق نے ہمیں تقسیم کر دیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ گویا کہ ہم نے شیعوں کو الاٹ کر دیئے جبکہ ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم ہم نے اپنے حق میں لکھوا لئے۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ ہمارے لئے حضرت علیؓ بھی ایسے ہی ہیں جیسے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ ہیں۔ ان کے لئے یہ حدیث ''انا مدینة العلم'' ہم تسلیم کرتے ہیں۔ ان کا بہت اونچا مقام و مرتبہ ہے، لیکن وہ خلیفۂ رابع ہیں، پہلے خلیفہ نہیں ہیں۔ پہلے خلیفہ، خلیفہ صادق اور خلیفۂ حق حضرت ابوبکرؓ ہیں، پھر حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ۔ شیخ احمد سرہندیؒ کے نزدیک ترتیب فضیلت، ترتیب خلافت کے ساتھ ہے۔ ان چاروں میں بھی سب سے زیادہ افضل ابوبکر ہیں، پھر عمر ہیں، پھر عثمان، پھر علی ہیں، رضی اللہ تعالیٰ اجمعین۔ تقریباً پچیس تیس برس پہلے یہاں ایک ادارہ بنا تھا جس نے یوم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منایا، میں نے وہاں جا کر تقریر کی۔ لوگوں کو بہت پسند بھی آئی۔ پھر انہوں نے یوم فاروق اعظمؓ منایا۔ اس میں بھی میں نے تقریر کی۔ پھر یوم عثمان غنیؓ منایا۔ میں نے تقریر کی۔ پھر میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ اب اگر آپ یوم علیؓ نہیں منائیں گے تو میں کبھی آپ کے جلسوں میں نہیں آؤں گا اور بدقسمتی سے انہوں نے نہیں منایا اور وہ ادارہ ہی ختم ہو گیا۔ یہ تقسیم بہت غلط ہے، بہت غلط ہے۔ حضرت علیؓ تمام صحابہ میں چوتھے ہی نمبر پر ہیں ناں، باقی تمام صحابہ سے تو افضل ہیں، اس لئے ان کے ادب و احترام میں کوئی کمی نہیں ہونی چاہئے۔

س: کیا روحانی باپ سے پردہ کرنا چاہئے یا نہیں؟

ج: بالکل کرنا چاہئے۔ روحانی باپ شریعت کی رو سے کوئی شے نہیں ہے۔ وہ نامحرم ہے اور اس سے پردہ ہوگا۔

س: دین اسلام میں چالیسواں کی کیا اہمیت ہے؟ کیا اس رسم میں جانا جائز ہے؟

ج: اسلام میں کوئی دسواں، بیسواں، چالیسواں نہیں ہے۔ یہ سب چیزیں بعد کی پیداوار ہیں، بدعات ہیں اور ان میں شریک نہیں ہونا چاہئے۔ اسلام میں تو کسی شخص کے فوت ہونے کے بعد بس یہی ہے کہ آپ نے اسے نہلایا، کفنایا، کندھے پر اٹھا کر بڑے احترام کے ساتھ قبرستان لے گئے، نماز جنازہ ادا کی اور پھر اس کو دفن کر دیا۔ تدفین کے بعد بھی دعا کر دیجئے اور چلے آیئے۔ اس کے بعد بھی آپ قبرستان جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ جایئے اور وہاں جتنے مسلمان مدفون ہیں ان کے لئے دعا کیجئے۔ اس حوالے سے ایک مسنون دعا یہ ہے: **السلام علیکم یا اھل القبور یغفر اللہ لنا ولکن انتم سلفنا ونحن بالاثر** ''اے قبروں میں لیٹے ہوئے لوگو! تم پر سلامتی ہو اللہ کی۔ تم ہم سے آگے چلے گئے ہو، ہم پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ کل ہمیں بھی موت آنی ہے''۔ یہ بہت عمدہ دعا ہے۔ لیکن تدفین کے بعد کوئی اجتماعی تقریب قطعاً نہیں ہے۔ نہ سالانہ، نہ کوئی چالیسواں، نہ کوئی تیسواں، نہ کوئی تیجا۔ یہ سب کچھ نہیں۔ ہاں اپنے طور پر کوئی نیک کام کریں اور مرحوم کے لئے دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ قبول کرے گا، سنے گا۔

س: کیا قرآن سے یہ ثابت ہے کہ زمین گردش کرتی ہے؟ اور اگر کرتی ہے تو کیا خانہ کعبہ بھی اپنی جگہ سے ہلتا ہے؟ قرآن یہ کہتا ہے کہ ہم نے پہاڑوں سے کیلوں کی طرح زمین کو ٹکا دیا۔ اگر ٹکا دیا تو زمین کیسے گردش کرتی ہے؟

ج: دیکھئے ایک شے پر جو چیز ہے وہ بھی اس کے ساتھ ہی حرکت کر رہی ہے تو اس زمین کے اعتبار سے اس کی کوئی حرکت نہیں ہوئی۔ خانہ کعبہ جہاں ہے وہیں رہا۔ زمین خانہ کعبہ کو ساتھ لئے ہوئے حرکت کر رہی ہے۔ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہل رہا۔ ہم جہاں کھڑے ہیں وہیں کھڑے ہیں۔ زمین کی حرکت سے ہمارے اور زمین کے مابین کوئی حرکت نہیں ہوتی، بلکہ زمین کے ساتھ ہی حرکت ہو رہی ہے۔ قرآن مجید میں زمین کی حرکت کا صراحت کے ساتھ تو ذکر نہیں لیکن یہ کہ ﴿**کل فی فلک یسبحون**﴾ کے الفاظ قرآن میں آئے ہیں کہ ہر شے تیر رہی ہے اپنے اپنے مدار میں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ستارے، سیارے اور اجرام فلکی سب کے سب گھوم رہے ہیں، چکر لگا رہے ہیں۔

س: ایک عالم دین نے جو کہ ایک سیاسی پارٹی کے سربراہ اور ایم این اے بھی ہیں، اپنی ایک تقریر میں جو کہ ویڈیو کیسٹ میں محفوظ ہے، کہا ہے کہ اگر کہیں آپ کے سامنے شیر آ جائے تو اصحاف کہف کے کتے کا ورد کرنے سے وہ شیر بھاگ جائے گا۔ کیا اس قسم کا ورد کرنا اسلام میں جائز ہے؟ اگر نہیں تو یہ کس زمرے میں آتا ہے؟

ج: میرے نزدیک تو یہ فضول سی بات کے زمرے میں آئے گا جس کے بارے میں گفتگو بھی کرنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ کتے کا ورد کیسے کریں گے؟ کیا تسبیح پر بیٹھ کر ''اصحاف کہف کا کتا'' ''اصحاف کہف کا کتا'' کہتے جائیں گے! واللہ اعلم! یہ ایسے ہی بے تکی سی باتیں ہیں۔

س: کیا عورتیں قبرستان میں جا سکتی ہیں؟

ج: مجھے اس کی خاص قانونی حیثیت تو معلوم نہیں ہے۔ غالباً یہ چیز ممنوع ہے اور اس لئے ممنوع ہے کہ عورتیں زیادہ رقیق القلب ہوتی ہیں۔ انہیں وہاں نہیں جانا چاہئے۔ واللہ اعلم! اس کو میرا کوئی فتویٰ نہ سمجھئے کیونکہ میں مفتی نہیں ہوں۔

بنی آدم کو عطا شدہ فضیلت کے مظاہر

سورہ بنی اسرائیل کی آیات 66 تا 70 کی روشنی میں

مسجد دارالسلام باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید کے 10 اکتوبر 2003ء کے خطبۂ جمعہ کی تلخیص

سورۂ بنی اسرائیل کا چھٹا رکوع ہمارے زیر مطالعہ ہے۔ اس کے نصف ابتدائی حصے میں قصۂ آدم و ابلیس کا ذکر ہے' جس پر پچھلی بار گفتگو ہو چکی ہے۔ قرآن حکیم دو چیزوں کے بارے میں انسان کو بار بار انتباہ کرتا ہے کہ وہ نرا دھوکہ ہیں' کہیں تم ان کے فریب میں نہ آ جانا۔ ایک یہ کہ دنیا کی زندگی بہت بڑا دھوکہ ہے اس زندگی کی مصروفیات اور اس کی چمک دمک انسان کو اللہ اور آخرت کی یاد سے غافل کر دیتی ہے۔ کافر کی پہچان کہ آفاق میں گم ہے اور دوسری چیز جس کے فریب سے بچنا ضروری ہے' وہ شیطان ہے جو سب سے بڑا دھوکہ باز ہے۔ اس دھوکے کا عروج دجالی فتنہ ہے۔ آج کا دور اسی دجالی فتنے کی تمہید ہے۔ ہمارے زیر مطالعہ سورۂ بنی اسرائیل اور اس سے متصلاً بعد سورۂ کہف میں اسی دجالی فتنے سے آگاہی اور اس کے توڑ کے حوالے سے مضامین بیان ہوئے ہیں۔ دجالی دھوکے کے اعتبار سے آج کے دور میں جہاں ایک طرف دنیوی زندگی کی چمک دمک میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے تو دوسری طرف شیطان کو اب یورپ کی مشینوں کا سہارا بھی حاصل ہے کہ اب اس کے چیلے چانٹے سائنس اور ٹیکنالوجی کی قوت کے بل پر انتہائی طاقتور ہو گئے ہیں' چنانچہ اہل ایمان کے لئے ایسی شدید آزمائش شاید پہلے کبھی نہ رہی ہو۔

بہرکیف آج ہمارے زیر مطالعہ آیات میں ارشاد خداوندی ہے: ''تمہارا رب تو وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے لئے کشتیاں (اور جہاز) سمندروں میں تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ بے شک وہ تمہارے ساتھ بہت رحیم ہے۔''

(آیت:66)

اللہ تعالیٰ نے یہ ساری چیزیں انسان کے تابع کر دی ہیں۔ اگر آج انسان نے بڑے بڑے بحری جہاز بنا لئے ہیں یا ہوائی جہازوں میں اڑتا پھرتا ہے تو یہ صلاحیت اس کے پاس کہاں سے آئی ہے۔ یہ اللہ کی عطا کردہ ہے' گویا یہ اللہ ہی کی عطا ہے۔ اسی اعتبار سے یہ جو کشتیاں سمندروں میں چل رہی ہیں اور بحری راستہ ہمیشہ سے تجارات کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ یہ سب چلت پھرت انسانوں کے لئے اللہ ہی کے حکم سے ہے۔ جو انسان اللہ سے غافل ہو وہ سمجھتا ہے کہ معاش کا معاملہ میری محنت اور منصوبہ بندی سے چل رہا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جو رزق اسے ملتا ہے وہ اللہ کا فضل ہے۔ بے شک اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ آگے فرمایا:

''اور جب تمہیں دریا (سمندر) کے بیچ کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو تم بھول جاتے ہو ان سب کو جنہیں تم پکارا کرتے تھے اللہ کے سوا' پس وہی جب تمہیں اس سے نجات دلا کر خشکی پر پہنچاتا ہے اور تم (اس سے) منہ پھیر لیتے ہو۔ اور انسان ہے ہی ناشکرا۔

(آیت:67)

یہ ایک عجیب حقیقت ہے کہ جب انسان سخت تکلیف میں ہو اور اسے موت نظر آ رہی ہو تو پھر اسے اللہ ہی یاد آتا ہے۔ یہ گویا فطرت کی گواہی ہے کہ صرف وہی ہمارا حاجت روا اور مشکل کشا ہے' لیکن جب اسے اس مصیبت سے نجات مل جاتی ہے تو وہ اللہ کا شکرگزار بننے کی بجائے اس فطرت کی گواہی کو دبا کر شیطان کے بجھائے ہوئے رستے پر چل پڑتا ہے۔ یہ انسان کا ناشکرا پن ہے۔ اگلی آیت میں خبردار کیا جا رہا ہے۔ ''کیا تم نڈر ہو اس بات سے کہ تم کو خشکی پر (زمین میں) دھنسا دیا جائے یا تم پر پتھروں کی بارش کر دی جائے۔ پھر تم اپنے لئے کوئی کارساز نہ پاؤ گے''۔

(آیت:68)

سمندر سے نجات پا کر زمین پر قدم لگتے ہی تم کیوں اس رب کو بھول جاتے ہو' جسے تم مصیبت میں پکار رہے تھے اور جس نے تمہیں اس مصیبت سے نجات دے کر خشکی پر پہنچایا ہے تو کیا وہ اس خشکی میں تمہارے جرائم کی سزا نہیں دے سکتا۔ کیا خبر کہ جیسے ہی تم خشکی پر قدم رکھو' کوئی حادثاتی موت تمہاری منتظر ہو۔ پھر تم کسی کو اپنا کارساز نہ پاؤ گے۔ آگے فرمایا:

''یا تم نڈر ہو اس سے کہ تمہیں وہ دوبارہ سمندروں میں لے جائے۔ اور پھر وہ وہاں تیز ہوا کے ذریعے تمہیں تمہاری ناشکری کی پاداش میں غرق کر دے۔ پھر تم ہم پر اپنے واسطے کوئی باز پرس کرنے والا نہ پاؤ گے''۔

(آیت:69)

سچی بات یہ ہے کہ انسان انتہائی بے اختیار ہے۔ وہ پورے طور پر اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر ہے۔ کوئی شخص اس بات کی گارنٹی نہیں دے سکتا کہ اسے کل کا سورج دیکھنا نصیب ہو گا یا آج اگر صحت ہے تو کل اچانک بیماری آ سکتی ہے جو جان لیوا ہو۔ کسی کو کیا معلوم؟ یہ صرف اللہ کے علم اور اختیار کا معاملہ ہے۔ لہٰذا انسان کو جب صحت حاصل ہو' کشائش ہو تو اُسے اللہ کو بھلا نا نہیں چاہئے اور اس کی شکر گزاری کی روش اختیار کرنی چاہئے۔ لیکن افسوس انسانوں کی عظیم اکثریت کا طرزِ عمل اس کے برعکس ہے۔ اس باغیانہ طرزِ عمل پر اگر اللہ تمہاری گرفت کرے تو پھر اس سے پوچھ گچھ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس کے بعد تکریم آدم کا ذکر بڑے پرشکوہ انداز میں آ رہا ہے۔ فرمایا:

''اور ہم نے بنی آدم کو فضیلت عطا کی ہے۔ اور ہم ہی اسے خشکی و تری میں اٹھائے لئے پھرتے ہیں۔ اور ہم ہی نے اسے پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا۔ اور ہم نے جو بھی بزرگی والی مخلوق پیدا کی ان میں سے بہتوں پر ہم نے اس (بنی آدم) کو عزت و فضیلت عطا کی''۔ (آیت:70)

اللہ نے جو سارے قوانین فطرت بنائے اور انسان کو عقل دی کہ ان سے فائدہ اٹھائے' یہ سب کچھ اللہ ہی کی عطا ہے۔ یہ جو کچھ انسان نے بنایا' اس میں انسان کا کمال نہیں ہے بلکہ اللہ نے جو مخفی صلاحیتیں اس کے اندر رکھی ہیں' یہ ان کا اظہار ہے۔ اللہ ہی نے اسے پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا کیا ہے۔ لیکن وہ ان چیزوں میں کھو کر اپنی حقیقت کو اور ان چیزوں کے اصل مالک و خالق کو بھلا بیٹھتا ہے اور یہیں اپنی جنت بسانے کے سراب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ انسان اللہ کی خاص تخلیق ہے' جسے اللہ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے تخلیق فرمایا۔ یہ گویا اللہ کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ دونوں ہاتھوں سے پیدا کرنے کا ایک مفہوم یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں عالم خلق اور عالم امر دونوں عالم جمع ہیں۔ اس کا مادی جسم عالم خلق سے متعلق ہے' جبکہ اس کی روح کا تعلق عالم امر سے ہے۔ اسی روح کی وجہ سے یہ انسان فرشتوں سے بھی برتر ہے اور فرشتوں کو اسی لئے اس کے سامنے جھکایا گیا تھا' جیسا کہ شیخ سعدیؒ کا شعر ہے ؎

آدمی زادہ طرفہ معجون است
از فرشتہ سرشتہ و زحیوان

یہ اولاد آدم عجیب قسم کا مرکب ہے۔ اس کے وجود

⇦

میں ایک مکمل فرشتہ بھی موجود ہے جسے ایک حیوان کے ساتھ نتھی کر دیا گیا ہے۔ اگر یہ اپنے نفس کو تابع کر کے اپنا رُخ اللہ کی طرف کر لے تو یہ فرشتوں سے برتر ہے۔ لیکن اگر اس کا نفس اور حیوان جسد روحانی وجود پر حاوی ہو گیا تو اس دنیا میں رہتے ہوئے انسان کی معنوی موت واقعہ ہو جاتی ہے۔ اور یہ درندگی میں حیوانوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔

اس آیت پر ان شاء اللہ آئندہ بھی گفتگو ہو گی۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہدایت عطا فرمائے' شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھے اور ایمان و تقویٰ پر استقامت عطا فرمائے۔ آمین!

حالات حاضرہ:

مولانا اعظم طارق کی شہادت کے سانحہ کو محض فرقہ واریت کا مظہر قرار دینا درست نہیں بلکہ فرقہ واریت کی آڑ میں عالمی خفیہ ایجنسیاں جو کھیل رچا رہی ہیں حکومت کو اس پر نظر رکھنا اور اسے بے نقاب کرنا چاہئے۔ اس طرح کی کارروائیوں میں ملک دشمن بیرونی خفیہ ایجنسیاں ملوث ہوتی ہیں۔ حکومت کو ان کا توڑ کرنے کے لئے اپنے وسائل بروئے کار لانے چاہئیں۔ حکومت کی اس سے بڑی نااہلی کیا ہو گی کہ وہ ایک رکن پارلیمنٹ کی حفاظت نہیں کر سکتی تو عوام کی حفاظت کیا کرے گی۔

صدر اور وزیر اعظم کے اوپر تلے دورہ ہائے امریکہ کا اصل سبب یہ ہے کہ اللہ پر بھروسہ نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں قدم قدم پر امریکہ کے سہارے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہمارے حکمرانوں کے دورۂ امریکہ کے موقع پر مجاہدین کے خلاف کریک ڈاؤن کی صورت میں امریکہ کو نذر و نیاز پیش کرنے کا سلسلہ بھی انتہائی مکروہ ہے جسے بند ہونا چاہئے۔ تاہم ہمارے ان تمام مسائل کا حل یہ ہے کہ یہاں اسلامی نظام نافذ کیا جائے' اس کے بغیر ہماری داخلی اور بیرونی سلامتی ممکن نہیں۔

تحریک میں فعالیت

تحریر: بنت محمد علی ابراہیم

✱ آپ تو ماشاء اللہ بہت active ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی آپ جیسا بنائے اور گفتار میں مزید نکھار دے۔ اس کے جواب میں عرض کیا جاتا ہے کہ ''نہیں' تھوڑی بہت صلاحیتیں تو ہم سب میں موجود ہیں' تھوڑا بہت کام تو ہم سب کی ذمہ داری ہے''۔ تو جواب آتا ہے کہ ''نہیں' ہم کیا' ہمارے پاس ٹائم نہیں ہے آپ کی تو ماشاء اللہ ساری فیملی تحریکی ہے۔ پس آپ ہمارے لئے دعا کریں''۔

یہ وہ عام بات چیت ہے جو دروس یا پروگرامز کے بعد پروگرام کنڈکٹر زیادہ تر سے کی جاتی ہے۔ دوسرے لوگوں کی فعالیت کی تعریف اور حوصلہ افزائی کر کے ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔ ایک لمحہ کو اگر دل میں یہ خیال آئے کہ ہمیں بھی ان کی طرح تحریک میں فعال ہونا چاہئے تو دوسرے ہی لمحہ ہم یہ دفاعی رویہ اختیار کرتے ہیں کہ ان کو تو اللہ تعالیٰ نے اتنی سہولیات دی ہوئی ہیں ان کی تو پوری فیملی ان کے ساتھ ہے' نہ کسی مخالفت کا سامنا ہے' نہ کسی مشکل کا' اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اتنے حامی عطا کر دے تو ہم بھی کچھ کریں۔

بات دراصل یہ ہے کہ اجتماعی طور پر امت مسلمہ کو اپنے فرائض سے پہلو تہی کرنے کی عادت سی پڑ گئی ہے۔ ہم ذمہ داریوں سے پہلو تہی کر کے اپنے ضمیر کو دھوکا دیتے ہیں اور حیلے بہانے خود کو مطمئن کر کے اپنا دامن صاف بچا لیتے ہیں۔

تحریکیں صرف چند لوگوں کے کام اور خلوص سے نہیں بلکہ اس میں شامل تمام لوگوں کے تعاون اور جذبے سے چلا کرتی ہیں۔ ہم تحریک میں بڑھ چڑھ کر کام کرنے والوں کو اپنا ''ماڈل'' تو بنا لیتے ہیں' مگر خود کو ان کے نقش قدم پر چلنے سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں۔ تحریک کا مقصد' ہمارا مقصد اور تحریک کا نصب العین' ہمارا نصب العین ہوتا ہے۔ اگر یہ بات ذہن میں رکھی جائے تو اپنا تن من دھن تحریک کے لئے کھپا دینا آسان ہو جاتا ہے۔ جو لوگ صحیح معنوں میں تحریک سے وابستہ ہوتے ہیں' ان کی زندگی کے ہر کام میں تحریک کو اوّلیت حاصل ہو جاتی ہے۔ جو لوگ اپنا عہد نبھانے کے لئے دن رات جدوجہد کرتے ہیں' وہی دراصل عہد سے مخلص ہوتے ہیں اور یہی خلوص اللہ رب العزت کو مطلوب ہے۔ سورۃ الفتح کی آیت 18 اور 19 میں ہے: ''اے پیغمبر! جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو اللہ ان سے خوش ہوا اور جو صدق و خلوص ان کے دلوں میں تھا وہ اُس نے معلوم کر لیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت کی اور بہت سی غنیمتیں جو انہوں نے حاصل کیں اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔''

اور حدیث رسول ﷺ پاک ہے ''خداوند قدوس تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا لیکن وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے''۔ (صحیح مسلم)

بقول جگر مرادآبادی۔

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ' مجھے کام اپنے ہی کام سے
تیرے ذکر سے' تیری فکر سے' تیری یاد سے' تیرے نام سے

شعر کا پہلا مصرعہ تھوڑا غیر موزوں ہے اس کی تصحیح یہ کی جا سکتی ہے کہ ایک انقلابی کارکن کو لوگوں سے غرض اور واسطہ بھی فی سبیل اللہ اور تحریک کے مفاد میں ہونا چاہئے۔ ہر لمحے کسی معجزے کا انتظار کرنا کہ کوئی مردِ مومن اپنی چھڑی سے اشارہ کرے گا اور ہم کام کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ دراصل فرار کا رویہ ہے۔ اگر سب مل کر یکساں جذبے سے کام کریں تو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے ہمارے امیر محترم کو صحیح معنوں میں ایسے حواری میسر آ جائیں گے جو حق کا بول بالا کرنے کے لئے باطل کو پاش پاش کر سکتے ہیں۔ ایسے مجاہدوں کے مفقود ہو جانے پر اکبر الٰہ آبادی نے یوں نوحہ پڑھا ہے کہ۔

وہی صورتیں رہ گئیں پیش نظر جو زمانے کو پھیریں اِدھر سے اُدھر
مگر ایسے جمالِ جہاں آراء جو تھے رونقِ روئے زمین نہ رہے

بقول اقبال۔

جس میں نہ ہو انقلاب' موت ہے وہ زندگی
روحِ اُمم کی حیات' کشمکشِ انقلاب

خود کو ہمہ وقت اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کی صف میں شامل رکھئے۔ آپ جہاں کہیں بھی ہوں' ''جہادِ اکبر'' سے آپ کا واسطہ رہے گا۔ اس جہاد سے منہ پھیرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے بہت بُری وعید سنائی ہے۔ سورۃ التوبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا اور تمہارے بدلے دوسری قوم کو کھڑا کرے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے''۔ (التوبہ)

اگر اللہ نے ہمیں مال دیا ہے تو اس کو اللہ کی راہ میں اس طرح خرچ کرنا چاہئے کہ ہم دائیں سے دیں تو بائیں ہاتھ کو پتہ نہ لگے۔ اگر درس و تدریس کی صلاحیت ہے تو اس میں اپنے آپ کو پیش کر دینا چاہئے۔ اگر نظم و نسق کی صلاحیت ہے تو دروس اور تربیتی پروگرام مرتب کریں۔ اگر صاحب قلم ہیں تو قلم کے جوہر دکھائیں۔ اگر طالبعلم ہیں تو اپنے مضامین میں مہارتِ خصوصی حاصل کریں۔ غرضیکہ آپ کسی بھی شعبے سے وابستہ ہوں' دین اسلام کا داعی بننے سے آپ کی راہ میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ ''تحریک'' کے کارکنوں کو ماہانہ یا ہفتہ وار تربیتی پروگراموں میں بھرپور طریقے سے شرکت کرنی چاہئے' کیونکہ اجتماعات میں کارکن کی غیر حاضری نہ صرف اس کی ذات کے لئے نقصان دہ ہے' بلکہ تحریک کے لئے بھی مفید نہیں ہے۔ یہ پروگرام ہماری ہی تربیت کے لئے منعقد کئے جاتے ہیں اگر ہم ہی شرکت نہ کریں تو ان پروگراموں کا کیا فائدہ۔ بقول علامہ اقبالؒ۔

چمن میں تربیت غنچہ ہو نہیں سکتی
نہیں ہے قطرۂ شبنم اگر شریکِ نسیم

موجودہ شمارے کے نصف وسط کو ''عراق نمبر'' کا ضمیمہ کہا گیا ہے جو ''ندائے خلافت'' نے اپریل 2003ء میں عین دورانِ جنگ شائع کیا تھا اور جس کی پذیرائی کا سلسلہ آج تک جاری ہے' یہاں تک کہ ''عراق نمبر'' دہلی (بھارت) کے ایک ناشر فرید بک سنٹر نے کتابی صورت میں' بڑی خوبصورتی اور اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔ لندن سے شائع ہونے والے بین الاقوامی شہرت یافتہ جریدے ''امپیکٹ'' نے اپنی تازہ اشاعت (اکتوبر 2003ء) میں عراق پر امریکی قبضے کے حوالے سے پانچ خصوصی مضامین شامل کئے ہیں۔ ان میں سے تین مضامین کا اردو ترجمہ ''ندائے خلافت'' میں شامل ہو کر اس کے ''عراق نمبر'' کا ضمیمہ کہلانے لگا ہے۔ (مدیر)

بوسنیا سے بغداد تک

تحریر: احمد عرفان

* عراق ویٹ نام نہیں ہے' جیسا کہ عسکری تجزیہ نگار وقتاً فوقتاً یہ بتانے کی زحمت گوارا کرتے رہتے ہیں۔ ویٹ نام ایک غیر مزروعہ ملک تھا۔ وہاں درخت ہی درخت اور جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں۔ یعنی گوریلا جنگ کے لئے ایک مثالی علاقہ۔ درست!

عراق افغانستان نہیں ہے۔ یہ بھی درست۔ افغانستان کا جغرافیہ ویٹ نام سے مختلف تھا۔ اُس کی تاریخ بھی مختلف تھی۔ وہاں بیرونی مداخلت کاروں اور قبضہ گیروں کے خلاف مزاحمت کرنا زندگی کا عام چلن ہے۔

عراق بوسنیا نہیں تھا۔ کوسوا بھی نہیں تھا۔ ان بلقانی ریاستوں میں ''شرافت کے پرچارک'' مشفق و مہربان نئے سامراج نے اوّل اوّل اپنے نئے اصول اور اپنی نئی حکمت عملی آزمائی تھی اور اچھی طرح آزما کر دیکھ لیا تھا کہ کامیابی کیونکر حاصل کی جا سکتی ہے' یا کم از کم اُنہیں اپنی ''کامیابی'' کا یقین ہو گیا تھا۔ مشفق و مہربان سامراج سے کیا مراد ہے؟ وہ جو پہلے کسی قوم کو تباہ و برباد کرتا ہے' پھر اپنے نئے عزائم کے مطابق اپ گریڈ کر کے اُس کی تعمیر نو کرتا ہے۔ ایسی تباہ کردہ قوم کو مہذب بنانے کے مشن کا خرچہ اُسی قوم سے وصول کیا جاتا ہے' جسے مسمار کر کے دوبارہ تعمیر کرنا مقصود ہے۔

بوسنیا کا قصّہ

بوسنیا کا قصہ یہ ہے کہ وہ زیادہ تر ایک سیکولر اور آزاد خیال ملک تھا۔ اس کی آبادی میں مسلمانوں کی تعداد صرف 52 فیصد یا کچھ زیادہ تھی۔ پس مشفق و مہربان سامراج کو یہ منظور نہ تھا کہ وہاں نارمل جمہوریت پھلے پھولے۔ لہٰذا مناسب خیال کیا گیا کہ اس کی تعمیر نو کی جائے' اور تعمیر نو کے لئے اُسے منہدم کرنا پہلی شرط ہے۔

چنانچہ قدم رنجہ فرمائی کے لئے یورپی یونین آتی ہے' خصوصاً برطانیہ کے وزیر اعظم جان میجر اور فرانس کے صدر فرانکوئس متراں' اور اُن کے پیچھے پیچھے امریکا اور امریکا کے پیچھے اقوام متحدہ۔ تب وہ سب مل کر ایک خوبصورت اور آزاد خیال ملک کے یورپی تاریخ کے بدترین قتال کا اور اُس کے انہدام کا تماشا دیکھنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

فرانسیسی فوج نے آگے بڑھ کر سراجیوو کے ہوائی اڈہ پر اتنا مستحکم قبضہ کر لیا کہ باہر سے جمہوریہ بوسنیا کو کسی قسم کی مدد نہ مل سکے۔ دریں اثنا سربیا کے صدر میلوسیوک اور اُس کے بوسنیا میں رہنے والے سرب پٹھو مثلاً ڈاکٹر ریڈووان کردازک اور جرنیل راتکو ملاڈک وغیرہ نے پوری آزادی کے ساتھ قتل عام کیا اور بوسنیا کے مسلمانوں کا نسلی صفایا کرنے کا پورا پورا بندوبست کیا۔ جدید تر یورپ نے سیاسیات کی فرہنگ میں ایک نئی اصطلاح ''نسلی صفایا'' کا اضافہ کیا۔

امریکا کے صدر جارج بش سینئر اور اُن کے بعد بل کلنٹن نے منہ دوسری طرف پھیر لیا' یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ یورپ کے اندرونی معاملات میں دخل درمعقولات نہیں کرنا چاہتے۔ اہل یورپ جانیں' بوسنیا والے جانیں۔ امریکا کو اُن سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ امریکا کے پیچھے اقوام متحدہ کا بھی یہی حال رہا۔ سیکریٹری جنرل بطروس غالی کے پاس چھ مہینے تک اتنا وقت ہی نہ تھا کہ قتلِ عام کے مقامات سے اُن کے اپنے افسروں کی جانب سے جو خوفناک رپورٹیں آ رہی تھیں ان کو پڑھنا تو بعد کی بات ہے' اُن کی طرف دیکھ لینے کی بھی زحمت گوارا کرتے۔ بالآخر جب اُنہیں معلوم ہوا کہ رپورٹیں آ رہی ہیں اور انہوں نے سنا کہ اقوام متحدہ کے ایک رُکن ملک بوسنیا میں قتل عام ہو رہا ہے' تو اس قتل عام کا بچشم خود معائنہ کرنے کے لئے وہ اڑ کر دارالحکومت سراجیو پہنچے۔ وہاں انہوں نے سب کچھ دیکھ دکھا کر اعلان کر دیا کہ دنیا بھر میں ایک بوسنیا ہی آفت زدہ خطہ نہیں ہے' اور بھی کئی خطے ہیں جہاں مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ گویا انہوں نے صاف کہہ دیا کہ اقوام متحدہ کا پیالہ لبالب بھرا ہوا ہے اور اس میں بوسنیا کے نام کا ایک قطرہ بھی شامل نہیں کیا جا سکتا۔

تاہم انہوں نے ایک کام بڑے اہتمام سے کیا' وہ یہ کہ ''امورِ بوسنیا'' کے عنوان سے ایک شعبہ قائم کر دیا اور کوفی عنان صاحب کو اس شعبے کا خصوصی نگران مامور کر دیا۔ کوفی عنان صاحب نے بوسنیا میں کیا گل کھلائے' اس بحث سے قطع نظر اُن کو یہ انعام ضرور ملا کہ انہیں اقوام متحدہ کا سیکریٹری جنرل بنا دیا گیا' اور یہ انعام اُن کے نصیب میں اِس طرح آیا کہ بطروس غالی صاحب کو دوسری مرتبہ سیکریٹری جنرل بننے کا شرف اس لئے حاصل نہ ہو سکا کہ اُس وقت کی امریکا کی وزیر خارجہ میڈلین البرائٹ کو وہ اپنی خوشامد درآمد سے اتنا خوش نہ رکھ سکے جتنا خوش انہیں رکھنا چاہئے تھا۔

کوفی عنان صاحب کی کوششوں سے اقوام متحدہ نے جنگ روکنے کے لئے اسلحے کی درآمد پر پابندیاں عائد کر دیں' لیکن اس میں بھی ایک چال تھی' وہ یہ کہ اس طرح بوسنیا والوں کو مدافعت و مزاحمت کی قوت و قابلیت سے یکسر محروم کر دیا گیا۔ اس نوزائیدہ ری پبلک کے پاس کوئی فوج تھی نہ کوئی قدیم یا جدید اسلحہ تھا۔ اُن کے ظالم دشمن سربوں کو سابقہ یوگوسلاویہ کی فوج ورثے میں ملی تھی۔ دوسرے یہ کہ ان کے اپنے اسلحہ ساز صنعتی کارخانے تھے' جن کی وجہ سے پورے مشرقی یورپ کے ملکوں' بالخصوص روس سے اسلحے کی سپلائی برابر جاری تھی۔ اقوام متحدہ کی پابندیاں گویا یک طرفہ تھیں۔ بوسنیا کو بندوق کی ایک گولی بھی درآمد کرنے کی اجازت نہ تھی' اور سربیا کو کھلی چھٹی تھی کہ اپنے اسلحہ ساز

کارخانوں سے جدید اسلحہ بھی بناتا رہے اور باہر سے بھی منگواتا رہے۔

کوفی عنان نے اپنے ابتدائی عہد میں امورِ بوسنیا کے بارے میں بہت اچھی رپورٹیں تحریر کی ہوں گی' لیکن اُن میں سے ایک رپورٹ بھی مفید اور کارآمد ثابت نہ ہو سکی۔ اُن کی طرح بعض اور لوگ بھی تھے جو خوش نیتی سے کام کرتے تھے' مثلاً سائرس وانس اور ڈیوڈ اوون کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے کئی امن فارمولے پیش کئے' جن میں سے ہر ایک بوسنیا کی مسلم اکثریت کو نقصان پہنچانے کے اعتبار سے ایک سے ایک بڑھ کر شاندار ـــــ وہ تو اپنی تجویزوں اور فارمولوں کی عبارتیں مانجھتے رہے اور اس اثناء میں میلوسیوک اینڈ کمپنی مسلمانوں کا نسلی صفایا کرنے میں دن رات مصروف کار رہی۔ اُس وقت بڑا مسئلہ یہ بن گیا تھا کہ یہ قصاب جتنا ظلم کرتے تھے' سربِ مسلمانوں کی طرف سے اتنی ہی سخت مزاحمت ہوتی تھی۔ اُن کی سخت مزاحمت کی وجہ سے "مکمل صفایا" کرنے میں تاخیر ہو رہی تھی' یہ تاخیر "مہذب عالمی برادری" کے حلق میں ہڈی بن کر پھنس گئی تھی۔ نہ اُگلی جائے نہ نگلی جائے۔ وہ انتہائی عیاری کے ساتھ گونگا بننے کی جو اداکاری کر رہے تھے' وہ اداکاری پوری دنیا پر ظاہر ہو گئی۔

نوزائیدہ جمہوریہ بوسنیا ہرزیگووینا میں اُن کی آبادی 30 فیصد سے بھی کم تھی۔ معاملے کو برابر کرنے کے لئے بوسنیا کے مسلمانوں کے ساتھ عیسائی کروٹوں کو ایک فیڈریشن میں منتھی کر دیا گیا' جن کو (17 فیصد) اقلیت میں ہونے کے باوجود مسلم اکثریت کے ساتھ نصف نصف حقوق و اختیارات دے دیئے گئے۔ گویا معاہدے کی رُوح یہ تھی کہ مسلمان اپنے آزاد سیاسی اور تہذیبی تشخص کے ساتھ آئندہ کبھی نہ اُبھر سکیں۔

یہ دَورِ جدید کی میکاوَلی کے ابلیسی اسلوب کی تازہ کہانی ہے' اپنی نگرانی میں تباہ و برباد کرنے کی کہانی' اپنی نگرانی میں تعمیرِ نو کی کہانی' لیکن کہانی لمبی ہے۔ ابھی دنیا کو اس کے انجام کا انتظار ہے۔ بوسنیا اب بھی اخبارات کی شہ سرخیوں کی زینت بنتا ہے۔ بوسنیا کے آخبار Oslobodenje کی اشاعت 24 جولائی 2003ء کی شہ سرخی تھی: "مہارلبہ ایش ڈاؤن کی زیرِ حکمرانی انیسویں صدی کے طرز کی نو آبادی"۔ یہ پیڈی ایش ڈاؤن برطانوی لبرل ڈیموکریٹ پارٹی کے رہنما ہیں اور ان کو وزیرِ اعظم ٹونی بلیئر نے بوسنیا کو تحفے میں دیا ہے۔

کوسووا کی کہانی

کوسووا کی کہانی بوسنیا کی کہانی سے قدرے مختلف ہے۔ یہاں مسلمانوں کی آبادی 85 فیصد ہے۔ اتنی بھاری اکثریت رکھنے والے ملک سے نمٹنا آسان کام نہ تھا۔ چنانچہ اب کے ایک اور ہی انداز اختیار کیا گیا۔ کلنٹن اور ٹونی بلیئر نے مل کر کوسووا کے مسلمانوں کو سلوبوڈان میلوسیوک کے ظلم و تشدد اور قتلِ عام سے بچانے کے لئے ایک بردار عیسائی ملک پر بڑا ہوائی حملہ کر دیا (دکھاوے کی خاطر!) یہ خبر آنے پر پوری دنیائے اسلام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ہر مسلم ملک کے مسلم شہری کے دل میں کلنٹن اور ٹونی بلیئر کے لئے تشکر کے جذبات پیدا ہوئے۔

2000ء میں امریکا کے صدارتی انتخابات کے موقع پر نائب صدارت کے اُمیدوار لیلکور سے پوچھا گیا کہ امریکہ نے کیوں ایک عیسائی ملک یوگوسلاویہ کے برخلاف کوسووا کے مسلمانوں کی حمایت میں کارروائی کی ہے؟ لیلکور نے کیا خوب جواب دیا: "اس لئے کہ وہ مسلمان ہیں' اور ہم اُن کو یورپی بنانا چاہتے ہیں"۔ کوسووا کے مسلمان تو پہلے ہی یورپی تھے' دراصل لیلکور کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان وقت کے ساتھ ساتھ مسلمان نہ رہیں گے۔ صرف اُن کا نام اسلامی ہوگا' باقی وہ طرزِ زندگی اور اندازِ فکر میں یورپی ہوں گے۔

بوسنیا' امریکا اور برطانیہ کے لئے ایک "میدانِ بے عمل" تھا' سرد مہری اور مجہولیت کا پورا نقشہ۔ پہلے تو ان دو مہذب ملکوں نے میلوسیوک اینڈ کمپنی کو اجازت دیئے رکھی کہ مسلمانوں کا نسلی صفایا کر دیں' اُن کا وحشیانہ انداز میں قتلِ عام کریں' انسانیت سوز بربریت سے ایک ایک گھر میں قیامت برپا کر دیں' پھر وہ مل کر آسمانوں پر چلے گئے اور وہاں سے انہوں نے اپنے نئے نئے میزائلوں اور سٹیلتھ بمباروں کی خوب خوب آزمائشیں کیں اور ایک روز کوسووا کی زمین پر اُتر کر اُس کے نئے آقا بن گئے۔

کوسووا کے مسلمانوں کو غلام بننے کی یہ سازش "مہذب مداخلت"' یعنی امن و امان بحال کرنے اور انسانی حقوق کی پاسداری کے نام پر کی گئی۔ مقصد وہی تھا' انداز دوسرا تھا۔ بوسنیا اور کوسووا دونوں ملکوں میں مسلم اکثریت کو وحشیانہ قتال' غارت گری اور بربریت کا نشانہ بنایا گیا' تاکہ اُنہیں آسانی سے لبرل' سیکولر' مسیحی یورپ میں جذب کیا جا سکے' تاکہ اُن کے اندر سے اسلام نچوڑ کر صرف نام کا مسلمان رہنے دیا جائے۔

بوسنیا میں اقوامِ متحدہ نے مداخلت سے انکار کر دیا تھا' اس لئے کوسووا میں کلنٹن اور ٹونی بلیئر نے اقوامِ متحدہ کی پروا کئے بغیر از خود مداخلت کی۔ بوسنیا اور کوسووا کو غلام بنا لینے کے بعد اب گویا "مہذب سامراج" کے لئے زمین ہموار تھی۔

مہذب سامراج کے لئے زمین ہموار ہونے کا مطلب تھا مستقبل میں نئی حکومتی تبدیلیوں کا منظر نامہ' افغانستان' ایران' شام' سعودی عرب' عراق وغیرہ' کہیں بھی' کسی وقت بھی!

لیکن چونکہ وہ تمام ممالک' جن کی حکومتوں میں اپنی مرضی کی تبدیلیاں لانا مقصود تھا' مسلم ممالک تھے' اس لئے بوسنیا اور کوسووا کی مثالوں نے سازشوں کے جال میں ایک اور خوبصورت گرہ لگا دی تھی' یہ کہ جن طاقتوں نے برادر عیسائی ملک میں مظلوم مسلمانوں کو بچانے کے لئے کارروائی کی تھی' اُنہیں گویا یہ اخلاقی حق حاصل ہو گیا ہے کہ وہ اس نظیر کی بنیاد پر دنیا کے کسی بھی مسلم ملک پر حملہ کر کے اُس پر قبضہ کر سکتے ہیں۔ ٹونی بلیئر اور مہذب سامراج کے دوسرے حامی مسلمانوں کو یہی بتا رہے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے خلاف نہیں ہیں' بلکہ مسلمانوں کے مفادات کی خاطر ہی سب کچھ کر رہے ہیں۔

بغداد کی راہ پر

یوں بغداد کی طرف آنے والی راہ بوسنیا' پھر کوسووا سے ہوتی ہوئی گیارہ ستمبر سے گزر کر' کابل سے چکر کاٹتی

عراق ویت نام نہیں ہے۔ عراق بوسنیا نہیں ہے۔ عراق کوسووا بھی نہیں ہے۔ امریکا عراق میں لمبے عرصے کے لئے پھنس گیا ہے' کیونکہ عراق عراق ہے۔

اب وہ تادیر اپنی منافقت کو پوشیدہ نہ رکھ سکتے تھے۔

آخرکار انہیں مداخلت کی پالیسی اختیار کرنا پڑی' لیکن کس وقت؟ اُس وقت جب مسلمانوں کی شدید مزاحمت کی وجہ سے جنگ کا پانسہ اُن کے حق میں پلٹنا شروع ہو گیا تھا۔ 21 دسمبر 1995ء کی امریکی "خارجہ رپورٹ" میں واضح طور پر لکھا ہے: "سربوں کو مکمل فوجی شکست کا سامان تھا"۔

صدر کلنٹن نے اس تنازعے کے تینوں فریقوں کو امریکی ریاست کے شہر ڈیٹن میں بلایا اور اُن پر ایک ایسا معاہدہ ٹھونس دیا جو بدنیتی اور بد دیانتی پر مبنی تھا۔ اس معاہدے کی رُو سے سربوں کے اُن تمام اقدامات کو قانونی طور پر جائز قرار دے دیا گیا جو انہوں نے مسلمانوں کے "نسلی صفایا" کے لئے اب تک کئے تھے' یہاں تک کہ بوسنیا کا 51 فیصد علاقہ ستم گروں کے حوالے کر دیا گیا' جبکہ

ہوئی یہاں تک پہنچی ہے۔ لیکن بغداد کوئی ایسا چھوٹا سٹاپ نہیں تھا کہ بڑے آقا مجرموں کے کان پکڑوا کر غیر مطلوب حکومت کو تبدیل کرا کر اقتدار وہاں کے عوام کے ہاتھوں میں سونپ کر اس احساسِ فخر و مباہات کے ساتھ اپنے وطن واپس لوٹ جائیں کہ ہم نے انسان دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے ایک شاندار نیکی کا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

عراقی پروجیکٹ دیرینہ عزائم و خواہشات کی تکمیل اور پرانے خواب کی تعبیر تھا' جیسا کہ اس پروجیکٹ کے نام ہی سے صاف ظاہر ہے: "نیو امریکن سنچری پروجیکٹ" (این اے سی پی)۔ پروجیکٹ کا مقصد دنیا کی تشکیلِ نو ہے' جیسا کہ نئے قدامت پسندوں اور صیہونی مصنفین نے نقشہ بنا کر بتا دیا ہے۔

اب اس میں کوئی راز نہیں رہا کہ امریکا کی مہم جوئی عراق تک محدود نہیں ہے' بلکہ عراق کی حدود سے نکل کر پورا مشرقِ وسطیٰ اور اس سے بھی آگے تک پاؤں پھیلانے کی خواہش پر پھیلی ہوئی ہے۔

مشرقِ وسطیٰ ایک وسیع و عریض' قدرتی وسائل سے مالا مال' اقتصادی ذرائع سے بھرپور اور جغرافیائی و عسکری اہمیت رکھنے والا خطہ ہے۔ یہ اوقیانوس سے لے کر بحرِ ہند تک پھیلا ہوا ہے اور دم چھلا "آزاد حکمرانوں" کے زیرِ انتظام ہے جو دوسری یورپی جنگ کے بعد مامور کئے گئے تھے۔ ان پچاس برسوں کی کہانی کے مطالعے سے معلوم یہ ہوا کہ جسے ہم اپنی غلط فہمی سے "آزادی" سمجھ رہے تھے' وہ درحقیقت "غلامی" کا دوسرا روپ تھا۔ یہ ریموٹ کنٹرول سے چلائے جانے والے عیار سامراج کا ایک مکار روپ تھا۔

سابقہ آقا اپنی نوآبادیات پر حکمرانی براہ راست نہیں کرتے تھے' بلکہ اپنی رعایا میں سے چند پسندیدہ اور چہیتے افراد کے ذریعے کرتے تھے۔ نوآبادیاتی نظام ختم ہوا تو اس کی جگہ نیم آزاد مملکتیں ظہور میں آئیں' جو امریکا اور روس کے درمیان ہونے والی سرد جنگ کے خاتمے تک' ان دونوں سپر طاقتوں میں سے کسی ایک کی ایجنٹ اور پٹھو بن کر اپنی برائے نام آزادی کو قائم رکھتے رہے۔ پھر جب سوویت روس کا اچانک سقوط ہو گیا تو طاقتوں کا توازن بگڑ گیا' تمام مساواتیں ختم ہو گئیں۔ اس سے جو منطقی نتیجہ نکلنا چاہئے تھا' وہی نہیں نکلا' یعنی دو قطبی نظام کی جگہ ایک نیا' مہذب' انسان دوستانہ' عالمی نظام وجود میں آنا چاہئے تھا' ایک ایسا نظام جس میں جنگ و جدال' قتل و قتال اور خوف و دہشت نہ ہو' کثیر الاقوام عالمی نظام' جس میں تہذیبیں ایک دوسرے کی حریف نہ ہوں' بلکہ ایک دوسرے کی معاون و مددگار' اور نیکی' حسن اور اخلاق کی اقدار پھیلانے میں ایک دوسرے سے مسابقت کا جذبہ رکھتی ہوں۔

یہ خیال و خواب کی بات سہی' لیکن جو کچھ سامنے آیا اُسے دیکھ کر تو خود شیطان بھی شرما گیا ہو گا۔ امریکی دانش وروں نے دنیا والوں سے کہا "تاریخ کا خاتمہ ہو گیا ہے" اور امریکیوں سے کہا: "خبردار رہو' دو قدیم تہذیبوں (یعنی چینی اور اسلامی) سے خطرہ پیدا ہونے والا ہے۔ اس مصنوعی چینی و اسلاموفوبیا کے خطرے سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ان کو آپس میں متحد ہونے سے روکا جائے۔ اگر یہ متحد ہو گئے تو امریکا کی نئی چودھراہٹ کے لئے ایک زبردست چیلنج بن جائیں گے۔ ان دونوں کی اپنی اپنی کمزوری کیپے یا پالیسی' چین اور مسلم ممالک اپنی اپنی وجوہ سے آپس میں متحد نہ ہو سکے' اس لئے امریکا اب دونوں سے الگ الگ معاملہ کر رہا ہے۔

چین کا معاملہ مختصر ثابت ہوا۔ ماؤ کی مارکسی مادیت نے مارکیٹ مادیت کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا اور مارکیٹ مادیت نے حقیقی سرمایہ داری کی قوتوں کے لئے جگہ خالی کر دی۔

وہ قوتیں جو دنیائے اسلام کی اندرونی حرکیات میں قوت متحرکہ کا کام کر رہی تھیں' بالکل مختلف اور جداگانہ نوعیت کی تھیں۔ اگر مسلم ممالک کی حکومتیں امریکا کی خواہشات پر عمل کر رہی تھیں تو ان ملکوں کے مسلم عوام اپنے اسلامی تشخص کا اظہار کر رہے تھے۔ یہی تھا وہ "تصادم" جس پر امریکی دانشور خاص زور دے رہے تھے۔ اس تصوراتی "تصادم" سے بچنے کا طریقہ اُن نام نہاد دانشوروں کی نظر میں یہ تھا کہ مسلم ملکوں میں بڑے پیمانے پر حکومتی تبدیلیاں اُس نقشے کے مطابق لائی جائیں جو صیہونیوں نے عالمی تسلط اور غلبے کے لئے بنا رکھا ہے۔ اس پر عمل کا آغاز عراق سے کیا گیا۔

بغداد کے پٹھو صدام حسین کو 1979ء میں لایا گیا۔ اس پورے طویل عرصے میں اسے ایک شیطان صفت آمر مطلق بننے میں اُس کی دیدہ دانستہ مدد کی گئی۔ اپنے پٹھوؤں کی دیدہ و دانستہ آمر مطلق بننے میں مدد دینے کا مقصد یہ تھا کہ جب کبھی وہاں حکومتی تبدیلی لانا مقصود ہو گا' تو اُن کی مطلق العنانی اور جارحیت پسندی کو نشانہ بنا کر اُن کو برطرف کرانا آسان ہو جائے گا۔ عام خیال یہ تھا کہ جب عراق کے بادشاہ کا مجسمہ گرا دیا جائے گا تو اُس کے تمام حواری تاش کے پتوں کی طرح بکھر جائیں گے۔ گویا عراق کو دوسرے ملکوں کے لئے ایک مثال بنانا مقصود تھا۔ اگر کسی اور ملک کا حکمران تبدیل ہونے سے انکار کرے گا تو کہا جائے گا' عراق کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ یعنی واشنگٹن کو دنیا کے کسی بھی ملک کی حکومت کو برطرف کرنے اور مقرر کرنے کا حق و اختیار حاصل ہے۔

صدام حسین تو محض بہانہ تھا' ورنہ ایک اندھا بھی دیکھ سکتا ہے کہ امریکا کے عزائم کچھ اور ہیں۔ حال ہی میں محترمہ کونڈی رائس کا ایک مضمون (واشنگٹن پوسٹ' 7 اگست 2003ء) میں چھپا ہے۔ لکھتی ہیں: "عراق کی آزادی سے مشرقِ وسطیٰ کے لئے مثبت ایجنڈا آگے بڑھانے کا خصوصی موقع حاصل ہو گیا ہے' جس سے اس خطے میں' بلکہ پوری دنیا میں سیکورٹی مستحکم ہو گی"۔ کونڈی رائس صدر بش کی قومی سلامتی کی مشیر ہیں۔ انہوں نے اس مضمون میں اس یقین کا اظہار کیا ہے کہ "امریکا اور ہمارے دوست اور ہمارے اتحادی دنیا کے دوسرے خطے (مشرقِ وسطیٰ) میں طویل المیعاد انقلاب برپا کرنے کے معاملے میں متحد ہو کر کام کریں گے۔ جس طرح کہ انہوں نے دوسری یورپی عالمی جنگ کے بعد یورپ میں انقلابی تبدیلیاں کی تھیں (اگرچہ جرمن 45 سال تک امریکا اور روس کی باہمی آویزش میں مبتلا رہے تھے)

مس رائس نے کبھی اپنے صیہونی تشخص اور صیہونیت سے اپنی گہری وابستگی کو چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ "اسرائیل کی سلامتی دنیا کی سلامتی کی کلید ہے"۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ عراق پر تسلط تو پورے مشرقِ وسطیٰ پر اقتصادی' تہذیبی اور فوجی تسلط کی تمہید تھا' تاکہ فلسطین پر اسرائیل کا قبضہ مضبوط ہو' وہ فلسطینیوں کا قتال جاری رکھے' اُن کو برابر ہراساں کرتا رہے' اور ارضِ مقدس کو مکمل طور پر یہودی نسلی مملکت میں تبدیل کر دے۔ مشرقِ وسطیٰ اُن کے لئے اتنا اہم تھا کہ اس خطے کو یہاں کے رہنے والوں کے قبضے میں نہیں رہنا دینا چاہئے تھا۔

کونڈی رائس نے تو "مثبت ایجنڈا" اور "سیکورٹی کے استحکام" کی رمزیہ اصطلاحوں میں بات کی ہے' دوسرے امریکی دانشوروں نے تو بڑے واضح لفظوں میں امریکی عزائم کھول کر بیان کئے ہیں۔ مثلاً نیٹو (NATO) میں سابقہ امریکی سفیر رابرٹ ہنٹر نے لکھا ہے: "جنگ عراق نے صرف عراق کا ڈھانچہ ہی نہیں بکھیرا' بلکہ پورے مشرقِ

> امریکی دانشوروں نے دنیا والوں سے کہا: "تاریخ کا خاتمہ ہو گیا ہے" اور امریکیوں سے کہا "خبردار رہو' دو قدیم تہذیبوں (چین و اسلام) سے خطرہ پیدا ہونے والا ہے۔"

وسطیٰ کا نظام پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اس کی ذمہ داری امریکا پر عائد ہوتی ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے' مشرق وسطیٰ کے مستقبل کی ذمہ داری بھی امریکا پر عائد ہوتی ہے' ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک' اور ہمیں ہر جہت پر کامیاب ہونا ہے''۔

''ایک سرے سے دوسرے سرے تک'' اس کا مطلب واضح ہے۔ تشریح کی ضرورت نہیں۔ عراق کے پہلے امریکی فوجی (ناکام) گورنر لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) جے گارنر کے خیالات بھی رابرٹ ہنٹر سے ملتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ''عراق پورے مشرق وسطیٰ میں تبدیلیاں لے آئے گا۔ اس سے زیادہ ہمیں اور کیا چاہئے۔''

فاتح یہودی جرنیل جے گارنر کو بھی یہ یقین ہے کہ ''مضبوط و مستحکم اسرائیل امریکا کے عسکری منصوبہ سازوں کے لئے ایک اثاثہ ہے۔ چونکہ اسرائیل غیر مستحکم ہے' چونکہ اسرائیل کے پاس تیل ہے' چونکہ اسرائیل کے پاس بڑے پیمانے کی تباہی پھیلانے والے ہتھیار موجود ہیں' اس لئے امریکا کو اس خطے میں موجود رہنا چاہئے''۔ ظاہر ہے' آقا کی حیثیت میں۔

جے گارنر نے یہ پیشین گوئی بھی کی ہے کہ عراق میں سیکولر' جمہوری حکومت کے آنے سے دوسرے پڑوسی ملکوں' خصوصاً ایران' شام' مصر اور سعودی عرب پر دباؤ پڑے گا کہ وہاں بھی سیکولر جمہوری حکومتیں قائم ہوں۔ وہاں کے لوگ کہا کریں گے ''ہمارے ہاں عراق جیسی حکومت کیوں نہیں ہے۔''

مگر ان ساری کامیابیوں کی پہلی شرط یہ ہے کہ اہل عراق بھی اتفاق کریں۔ لیکن جہاں اوسطاً روزانہ پندرہ حملے ہوتے ہوں' جہاں جنگ کے سرکاری خاتمے کیم مئی سے اب تک اتنے امریکی و برطانوی سپاہی ہلاک ہو چکے ہیں کہ دوران جنگ میں ہلاک نہ ہوئے تھے۔ وہاں صاف ظاہر ہے کہ اتحادی طاقتوں کو اب تک تسلط حاصل نہیں ہو سکا ہے' یہاں تک کہ اقوام متحدہ اور دوسری بین الاقوامی امدادی ایجنسیوں کو بھی مناسب تحفظ فراہم نہیں ہو سکا ہے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر جان بچا کر عراق سے بھاگ گئے ہیں اور اُردن میں پناہ لی ہے یا روپوش ہو گئے ہیں۔

امریکا برطانیہ نے مل کر عراق پر حملے اور قبضے کے لئے جتنے بھی منصوبے بنائے تھے اور قیاسات اور اندازے قائم کئے تھے' عراقیوں نے اُن سب پر پانی پھیر دیا ہے۔ ان کو توقع تھی کہ آزادی دلانے پر اہل عراق اُن کا شاندار استقبال کریں گے اور اُن کے گلے میں ہار پہنائیں گے' لیکن ایک بھی اُن کے استقبال کے لئے باہر نہیں نکلا۔

انہوں نے امریکیوں اور انگریزوں کے خلاف نعرہ بازی کی' حتیٰ کہ پُرتشدد کارروائیاں کیں' جن کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ صدام حسین وہ سب کچھ تھا جو اُس کے متعلق سننے میں آ رہا تھا اور جو اُس کے متعلق کہا جا رہا تھا' لیکن جانے کیا ہوا' اُس کے بدترین مخالفوں نے بھی امریکا برطانیہ کی اتحادی فوجوں کے خلاف نعرے لگائے۔

اشتعال انگیزی کے چند واقعات سے قطع نظر' جیسے

✿ ✿ ✿

صدر کلنٹن نے تینوں فریقوں پر ایک ایسا معاہدہ ٹھونس دیا جس کی رُو سے مسلمانوں کے ''نسلی صفایا'' کے لئے بوسنیا کا 51 فیصد علاقہ ستم گر سربوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اس معاہدے کی رُوح یہ تھی کہ مسلمان اپنے آزاد سیاسی اور تہذیبی تشخص کے ساتھ آئندہ کبھی نہ اُبھر سکیں۔

✿ ✿ ✿

نجف اور کربلا میں سنیوں کی مساجد کی بندش' سیاسی طور پر سنیوں اور شیعوں میں کوئی اختلاف نہ ہوا۔ ان کے درمیان فرقہ وارانہ فساد نہ ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ سید باقر الحکیم کے قتل کا مقصد فرقہ واریت کو ہوا دینا تھا' لیکن یہ سازش ناکام ہو گئی۔ سنیوں نے اثر لیا نہ شیعوں نے۔ حتیٰ کہ صدام حسین کے مخالف' بلکہ جانی دشمن' جو بیرونی ممالک میں مقیم تھے اور اتحادی فوجوں کے ٹینکوں کے سائے میں عراق واپس آئے تھے' انہوں نے بھی اتحادیوں کا ساتھ نہ دیا۔

عراق میں اتحادیوں کے فوجی گورنر پال بریمر نے ''عراقی حکمران کونسل'' کے منتخب ارکان سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''باہر نکلئے' ملک بھر میں پھیل جائیے اور عراقی عوام سے باتیں کیجئے۔ انہیں نئی تبدیلی کے بارے میں سمجھائیے''۔ وہ چاہتے تھے کہ قابض حکومت کو عوام کی جانب سے کچھ نہ کچھ حمایت تو ملنی چاہئے۔ عوام کی حمایت تو کیا ملتی' عبوری حکمران کونسل کے متعدد ارکان برگشتہ خاطر ہو گئے' مثلاً علامہ بحر العلوم نے کونسل کی رکنیت سے مستعفی ہوتے وقت بیان دیا کہ ایسی رکنیت کا کیا فائدہ' جبکہ ''اتھارٹی'' کی جانب سے مناسب تحفظ حاصل نہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ عراق کے لئے اقوام متحدہ کا مقتول نمائندہ سرجیو ویرا میلو پال بریمر پر دباؤ ڈالتا رہتا تھا کہ وہ ''عبوری حکمران کونسل'' کو دکھائی دینے والے اختیارات دے' اور اقوام متحدہ کو نہ صرف پالیسی سازی میں' بلکہ عراق کی تعمیر نو اور نظم و نسق میں بھی مرکزی کردار ادا کرنے دے۔ وہ چاہتا تھا کہ عراق کو جلد از جلد عراقیوں کو واپس کر دیا جائے۔ لیکن میلو بے چارا نہیں جانتا تھا کہ امریکی یہاں صرف حکومت تبدیل کرنے کے لئے نہیں آئے تھے' بلکہ مشرق وسطیٰ کا پورا نقشہ بدلنے کے لئے آئے تھے۔

حالات نے ایسا پلٹا کھایا ہے کہ عراق پر قابض ہونے کے بعد امریکا اور اُس کا صدر بش روز بروز مشکلات میں گھرتے جا رہے ہیں۔ اب انہیں اقوام متحدہ سے مدد لینا یاد آ گیا ہے' لیکن وہ اس مدد کے بدلے عراق کی حکمرانی میں اقوام متحدہ کو کوئی بامعنی اور بامقصد رول دینے کے لئے تیار نہیں ہیں اور وہ عراقیوں سے چھینا ہوا اقتدار واپس کرنے کے لئے بھی تیار نہیں۔ کوئی وعدہ وعید نہیں۔ صدر بش چاہتے ہیں کہ دنیا ان کی مدد کرے' پیسہ دے' فوجیں بھجوائے تاکہ عراق میں امن و امان ہو اور امریکی قبضہ مستحکم ہو۔

رابرٹ ہنٹر نے واشگاف لفظوں میں' اعلان کے سے انداز میں کہہ دیا ہے کہ ''ہم اقوام متحدہ کی جانب سے جو نئی قرارداد لانے والے ہیں' اُس کے زیر اثر اپنے اپنے مفادات کی غرض سے اتحادی ہمارے ساتھ تعاون کریں گے' لیکن شو ہمارے ہاتھ میں رہے گا اور ہم ہی شو چلاتے رہیں گے۔ 98 فیصد فیصلے ہم ہی کریں گے۔''

رابرٹ ہنٹر کہتا ہے: ''ہمارے ساتھ غیر یورپی ممالک' غیر کاکیشائی ممالک' مسلم ممالک' جتنے ہم چاہیں گے' شریک ہو جائیں گے''۔

جے گارنر کہتا ہے ''ہمارے ملک میں جتنے زیادہ پرچم لہرائیں گے اتنا ہی اچھا۔''

پرچم زیادہ ہوں یا تھوڑے' امریکا عراق میں لمبے عرصے کے لئے پھنس گیا ہے' کیونکہ عراق عراق ہے۔

تاریخ کے دھارے کے برخلاف

تحریر: آصر مظفر اقبال

* گیارہ ستمبر کی اُس صبح کو فی الوقت کیا ڈراما ہوا تھا' اُس کی جزئیات تو شاید ہمیں کبھی معلوم نہ ہو سکیں گی' لیکن وہ ڈرامائی بین الاقوامی تعلقات میں ایک واضح اور امتیازی عامل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ گیارہ ستمبر کا واقعہ ان لوگوں نے خوب استعمال کیا ہے' جنہیں صدر ریگن کے بعد کے برسوں میں امریکا کا ایک نیا ویژن وضع کیا تھا جو امریکا کے بانی مبانی رہنماؤں کے تصور سے بالکل مختلف تھا۔ جارج ڈبلیو بُش کی سرکردگی میں جمع ہونے والے یہ پُراسرار لوگ ہی ''نیو امریکن سنچری پروجیکٹ'' کے خالق تھے۔

ان کی کارروائی کا پہلا میدان وسطی امریکا تھا۔ پہلے انہوں نے پانامہ اور گرینیڈا پر حملوں کی راہ ہموار کی۔ وسطی امریکا میں جارحانہ کارروائیوں کے لئے ڈرامار چایا اور سوویت یونین کے خلاف ایک زبردست حکمتِ عملی اختیار کی' جس کا مقصد زوال پذیر اور جاں بہ لب سوویت یونین کا گلا گھونٹنا تھا' تاکہ امریکا واحد سپر اور بالادست طاقت بن جائے۔

ان لوگوں کی بڑی کارروائی 1989ء میں ہوئی' جب انہوں نے سوویت یونین کا محل منہدم کرا دیا' اور فتح مندی کے جوش و خروش میں کھلم کھلا اعلان کر دیا کہ اب واحد سپر طاقت کو ''دنیا کی سیادت'' کا حق حاصل ہے۔ سیادت کا یہ مفوضہ حق جلد ہی ''حقِ حکمرانی'' میں تبدیل ہو گیا۔

امریکا کا قد بڑھانے والے انہی لوگوں نے کویت پر صدام حسین سے حملہ کرانے کی سازش کی۔ اُس حملے کی حقیقت کچھ بھی ہو' لیکن تھا یہ انتہائی احمقانہ اور خودکش اقدام۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ صدام حسین نے پاگل پنے کی ایسی حرکت کیوں کی تھی۔ اگر کویت پر حملہ بلکہ قبضہ کر ہی لیا تھا تو اسے کچھ دیر تو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہوتی۔ وہاں کوئی اپنی مرضی کی کٹھ پتلی حکومت قائم کر دی ہوتی یا اپنے پڑوسی ملکوں کو ڈرایا دھمکایا ہوتا۔ یا کسی اور قسم کی حرکت کی ہوتی۔ چپ چپاتے حملہ کیا اور چپ چپاتے پسپائی اختیار کی۔

لیکن کویت کے حملے کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلی خلیجی جنگ ہوئی' جس کے نتیجے میں امریکا آئندہ صدی کے لئے ایک بھرپور' واحد سپر طاقت بن کر نمودار ہوا۔ سینئر بُش نے اعلان کر دیا: ''اب ہم دنیا میں نیا نظام لائیں گے۔'' اس چند روزہ جنگ کے دوران میں امریکی افواج نے اپنے جدید ترین اسلحے کی آزمائش کی۔ عراقی فوج کو مفلوج کر دینے کے لئے زمینی اور ہوائی فوج سے حملہ آوری کے نئے طریقے استعمال کرائے گئے جو بہت زیادہ کامیاب ثابت ہوئے۔

اس جنگ کے نتیجے میں اُس وقت کے دفاعی پالیسی ساز پال وولفووٹز کو دفاعی منصوبہ سازی کی وہ رسوائے زمانہ دستاویز مرتب کرنے کا موقع مل گیا جو بعد میں ''نیو امریکن سنچری پروجیکٹ'' کے نام سے بین الاقوامی سیاست کا حصہ بن گئی۔

اس دستاویز کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس میں

کویت کے حملے کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلی خلیجی جنگ ہوئی' جس کے نتیجے میں امریکا آئندہ صدی کے لئے ایک بھرپور' واحد سپر طاقت بن کر نمودار ہوا

دشمن کو حدود میں رکھنے اور اُسے روکے رکھنے کی پالیسی ترک کرنے پر زور دیا گیا۔ کہا گیا کہ خارجہ پالیسی میں یک طرفہ یا دو طرفہ تعلقات کی اب کوئی اہمیت نہیں رہی۔ اب تو یوں ہونا چاہئے کہ دشمن ملک پر یا اُس ملک پر جو آپ کی مرضی کے تابع نہ ہو' اُس پر بڑھ کر پیشگی حملہ کر دینا چاہئے۔ اپنی دفاعی پالیسی اور ملکی سلامتی کا واحد گُر پیشگی حملہ ہے۔ اب امریکا واحد سپر طاقت ہے۔ اُس کا اب کوئی حریف نہیں ہے۔ اس لئے کوئی نیا فوجی اور طاقتور حریف پیدا ہونے سے پہلے ہی اسے کچل دینا چاہئے۔

لیکن ''نیو امریکن سنچری پروجیکٹ'' کو اُس وقت قدرے ضعف پہنچا جب صدر کلنٹن نے پیشگی حملہ آوری کی پالیسی کو مسترد کر دیا۔ تاہم کلنٹن کے عہدِ صدارت میں مذکورہ نئے قدامت پسند دانشوروں نے اپنی پوزیشن کو چپکے چپکے بہت مضبوط کر لیا۔ کلنٹن صاحب جب بھی وائٹ ہاؤس سے باہر' کسی اندرونی یا بیرونی دورے وغیرہ پر جاتے تو ان لوگوں کو اپنے مطلب کا زیادہ کام کرنے کا موقع مل جاتا۔

جون 1997ء میں اس پروجیکٹ کے بنیادی اصول شائع کر دیئے گئے۔ چھ ماہ بعد اس پروجیکٹ کے مصنفین کی جانب سے صدر کلنٹن کو اس امر کا خط لکھا گیا کہ ''عراق میں صدام حسین کی حکومت کا خاتمہ کرنے کے لئے حکمتِ عملی اختیار کر کے اُس کو سختی سے نافذ العمل کرنے پر خصوصی توجہ دی جائے۔''

جنوری 1998ء کے اس خط پر جن لوگوں نے دستخط کئے تھے' ان میں ڈونلڈ رمزفیلڈ' پال وولفووٹز' جان بولٹن' ایلیٹ ابرامز' رچرڈ آرمیٹج اور اس ''اتحاد'' کے دوسرے ممتاز ارکان شامل تھے' جو صدر ریگن کے عہد میں پس پردہ رونما ہوا تھا۔ اس اتحاد کی بنیاد پال وولفووٹز کی ''گہری بصیرت'' پر رکھی گئی تھی جس کا منشور ایک جملے میں یہ تھا:

''یروشلم جانے والی راہ بغداد سے ہو کر گزرتی ہے''

امریکا کے نئے ویژن کے ان مصنفین نے ستمبر 2000ء میں امریکا کے مستقبل کا ایک بڑا خاکہ ایک رپورٹ کی صورت میں شائع کیا۔ اس رپورٹ کی تمہید میں لکھا گیا ہے: ''حتیٰ کہ ایک عالمی پیکس امریکانا بھی اپنی حفاظت خود کرنے کے قابل نہیں ہو سکے گا۔ لہٰذا امریکا کو چاہئے کہ وہ مستقبل میں زیادہ سے زیادہ امکانات و فوائد حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھ کر ٹھوس اور عملی اقدامات کرے۔''

اس رپورٹ میں امریکی افواج کے لئے نئے کام اور نئے مقاصد وضع کئے گئے۔ کبھی کبھار کی مداخلت کی پالیسی کی بجائے' کہا گیا کہ ''پوری دنیا میں جن خطوں میں ضروری محسوس ہو' وہاں امریکی افواج مستقل تعینات کی جائیں' کیونکہ امریکا کے سپر طاقت ہونے کا ظاہری ثبوت یہی ہو سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے جگہ جگہ مضبوط فوجی اڈے اور چھاؤنیاں قائم کی جائیں' تاکہ مستقبل میں فارورڈ فوجوں کے کام آئیں۔

اس رپورٹ کے مصنفین جارج بُش پر اعتماد نہیں کرتے تھے' اس لئے وہ اس کی حمایت بھی نہیں کرتے تھے' لیکن جب مصنفین میں سے ایک اہم رکن ڈک چینی کو نائب صدارت کے لئے نامزد کیا گیا' تو پروجیکٹ میں جان

⇦

پڑ گئی۔

جارج بُش کے متنازعہ الیکشن کے بعد چند مہینوں کے اندر اندر "نیو امریکن سنچری پروجیکٹ" پر عمل درآمد شروع ہو گیا۔ امریکا نے یکے بعد دیگرے اقدامات کئے۔ مثلاً اینٹی بلاسٹک میزائل معاہدے سے دستبردار ہو گیا۔ نئے ملٹری ہارڈ ویئر بنانے پر زور دیا گیا۔ بڑی بڑی ریسرچ لیبارٹریز کو حکم دیا گیا کہ وہ نئی اقسام کا اسلحہ بنانے کے کام پر ریسرچ کریں۔ فوجی بجٹ میں بے پناہ اضافہ کر دیا گیا۔

دریں اثنا خود بُش صاحب کی قلب ماہیئت ہو رہی تھی۔ چالیس سال کی عمر تک وہ محض نام کے عیسائی تھے اب وہ "صالح اور پکے عیسائی" بن گئے۔ وہ پیدائشی طور پر اپنے والدین کے اسقفی کلیسائی نظام کا عقیدہ رکھتے تھے لیکن اب اپنی بیوی کے میتھوڈسٹ فرقے سے منسوب ہو گئے اور اس فرقے کے عقائد وعبادات پر عمل کرنے لگے۔ پھر رفتہ رفتہ انہوں نے محسوس کرنا شروع کر دیا کہ انہیں تو خدا نے دنیا کی سیادت کے لئے اپنا برگزیدہ بندہ بنا کر بھیجا ہے۔

پھر گیارہ ستمبر کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر کیا گرا، ہر چیز کی قلب ماہیت ہو گئی۔ ابھی آگ بجھی بھی نہ تھی کہ پروجیکٹ سازوں نے مشترکہ دستخطوں سے ایک اور خط صدر امریکا کے نام لکھ ڈالا، جس میں کہا گیا تھا کہ "اس سانحے کا عراق

بغداد کے کوچہ و بازار میں بُش اور اس کی فوج کو اس تقدیر کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جو تاریخ میں تمام قبضہ گیروں کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔

سے کوئی تعلق ہو یا نہ ہو، اور اس تعلق کے بارے میں کوئی ثبوت ملے یا نہ ملے، دہشت گردی کے خاتمے کے لئے خواہ کیسی بھی حکمت عملی اختیار کی جائے، یہ ضروری ہے کہ عراق میں صدام حسین کا اقتدار ختم کیا جائے۔"

گیارہ ستمبر کے واقعے نے بُش کے اندر مسیحی زندگی کی طرف جانے، بلکہ قرب خداوندی حاصل کرنے کا ایک اور موقع عطا کر دیا۔ ندا آئی، تم تو پوری دنیا کے مسیحا اور نجات دہندہ ہو۔ دنیا کی بہترین اور جدید ترین اسلحے سے لیس آرمی کے کمانڈر انچیف ہو۔ تمہیں چاہئے کہ دنیا کو "برائی اور شر" سے نجات دلاؤ۔ گیارہ ستمبر کے سانحے سے پیشتر بُش صاحب بے شک "نیو امریکن سنچری پروجیکٹ" کے بہ صمیم قلب حامی اور ہم نوا ہو چکے تھے، لیکن اب اپنی جذباتی تشکیل میں وہ پوری طرح منتشر ہو گئے تھے۔ طیش کے عالم میں وہ خود کو خدا سمجھنے لگتے تھے، لیکن یہ زعم خداوندی

ان کے دماغ کا فتور تھا۔ وہ مذہبیات کی زبان بولنے لگے۔ امریکا کی مقامی اقدار کو عالمگیر سمجھنے لگے، اور اپنی شخصیت کو بائبل کے بڑے بڑے سورماؤں کے آئینے میں دیکھنے لگے۔ ایک مثال کافی ہو گی۔ 11 ستمبر 2002ء کو انہوں نے اپنی تقریر میں کہا:

"میرا عقیدہ ہے کہ آج تاریخ نے اس قوم کو عصر حاضر کے روبرو لا کھڑا کیا ہے، تو اس میں بھی کوئی خدائی رمز ہے۔ امریکا انصاف اور رواداری کی پوری پوری کوشش کرتا ہے۔ آج کی شب خداوند تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں ہدایت دے اور سرفراز کرے۔ کل ستمبر کی بارہویں تاریخ ہے۔ ایک سنگ میل گزر گیا، لیکن ہمارا مشن جاری ہے۔ یقین رکھئے، اعتماد کیجئے، ہمارا ملک مضبوط ہے۔ ہمارا مشن اور ہمارا عزم ہمارے ملک سے بھی بڑا ہے۔ ہمارا مقصد انسانی عظمت ووقار کی سربلندی ہے۔ آزادی ایسی آزادی جس کی رہنمائی ضمیر نے کی ہو اور حفاظت امن نے۔ امریکا کا یہ نصب العین پوری انسانیت کی امید ہے۔ یہی امید لاکھوں کروڑوں کو کشاں کشاں ہماری پناہ گاہ کی طرف لا رہی ہے۔ یہی امید ہمارے راستے کو روشن کئے ہوئے ہے اور روشنی تو اندھیرے میں ہوتی ہے اور اندھیرا روشنی پر غالب نہیں آ سکتا۔"

آخری سطور جو انجیل سے لی گئی ہیں، اپنے اصل سیاق وسباق کے لحاظ سے امریکا سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں، لیکن بُش صاحب نے کھینچ تان کر، ان کو امریکا کی صورت حال پر منطبق کر دیا ہے، جیسا کہ وہ پہلے بھی کئی بار اپنی سیاسی تقریروں میں بائبل کی آیات، حمد اور مناجاتوں کے مصرعے ٹانکتے رہے ہیں۔

بلاشبہ بُش صاحب بھی ایک دینیات رکھتے ہیں، جس میں سچائی نظر نہیں آتی۔ یہ جھوٹ ان کی شخصیت میں رچ بس گیا ہے۔ ان کے خودساختہ مشن، من گھڑت نصب العین اور خود پرستانہ مسیحی تمنائیں ان کی بصیرت پر اس بری طرح چھا گئی ہیں کہ انہیں وہ زمینی حقیقت نظر نہیں آتی جو بغداد کے کوچہ وبازار میں موجود ہے اور سب کو نظر آتی ہے اور جہاں بُش کی فوج کو بھی اسی تقدیر کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جو تاریخ میں تمام قبضہ گیروں کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔

بُش صاحب تو وائٹ ہاؤس کے پرسکون ماحول میں آرام وسکون سے تشریف فرما ہیں اور آزادی اور امن کی دینیات پر وعظ وتلقین فرماتے رہتے ہیں، لیکن ان کے سپاہی بغداد کی گلیوں میں، سخت گرمی میں اور مستقل خوف اور ہراسانی کی حالت میں گھومتے رہتے ہیں۔

پس چہ باید کرد؟

عالمی میڈیا میں عراق پر غیر قانونی حملے اور ناجائز قبضے کے بارے میں بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حملے کا منصوبہ سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ اور بین الاقوامی طور پر مسلمہ قوانین واقدار وروایات کے خلاف تھا۔ یہ تاریخ کے دھارے کے بھی خلاف تھا۔ انسانی تاریخ کے اس موڑ پر یہ بات ناقابل تصور ہے کہ کوئی طاقت، خواہ وہ کتنی بھی مسلح اور مقتدر ہو، بنیادی انسانی احترام ووقار کو سلب کر سکے، وہ کسی اور قوم کو مغلوب کرے اور اس کی مزاحمت بھی نہ ہو۔ آزادی کی خواہش کو انسان کے دل سے کسی بھی طاقت کے ذریعے نکالا نہیں جا سکتا۔

"نیو امریکن سنچری پروجیکٹ" کے پیچھے پوشیدہ، پراسرار، دانشور قسم کے لوگ خواہ کچھ بھی کہا کریں، زمینی حقائق قبضہ گیروں کو جلد مجبور کر دیں گے کہ وہ عراق سے نکل جائیں۔ لیکن بڑے ڈھیٹ ہیں، نکلنے سے پہلے عراقی تیل کے معاہدے، نیز عراق کی "تعمیرنو" کے ٹھیکے مضبوطی سے حاصل کر لیں گے، اور یہ بھی چاہیں گے کہ عراق میں جو بھی نئی حکومت بنے، وہ امریکا نواز ہو۔ یہ گویا ان کا بنیادی حق ہے۔ اگر ان تین چیزوں کی ضمانت کسی طرح حاصل ہو جائے تو وہ نکل جائیں گے، نکل نہیں جائیں گے، پس پردہ چلے جائیں گے اور دور بیٹھے حکمرانی کرتے رہیں گے۔

تاہم ان کی حکمت عملی اب پوری دنیا پر آشکارا ہو گئی۔

ایسی صورت حال میں سب سے اہم اور بڑا سوال یہ ہے کہ پوری دنیا پر غلبہ پانے کی اس مسیحائی قوت کو، اس کے حدود میں روکنے کی کیا تدبیر کی جائے؟ بالخصوص مسلم دنیا کو اس سوال بلکہ چیلنج کا جواب دینا ہوگا، کیونکہ یہ جنگ اسلام اور اس کی انتہائی محترم اقدار وشعائر کے خلاف چھیڑی گئی ہے۔ جارج صرف مسلم ملکوں اور ان کے قدرتی وسائل وذرائع پر قبضہ نہیں کرنا چاہتا، بلکہ اسلامی تہذیب کی روحانی وثقافتی قدروں کے پورے تناظر ونظام کو تبدیل کرنا چاہتا ہے۔

اس چیلنج کو معمولی اور غیر اہم سمجھ کر نظرانداز نہیں کر دینا چاہئے، کیونکہ مسلم دنیا کو یہ چیلنج دنیا کے سب سے بڑے، سب سے زیادہ بادسیلہ، بااثر، امیر ترین ملک کی جانب سے آیا ہے، جس نے یہ جنگ کئی محاذوں پر شروع کی ہے۔ یہ اسلامی تہذیب کا پورا تانا بانا ختم کرنے کے درپے ہے۔ بے راہ روشخصی آزادی کے نام پر امریکا اسلامی معاشرت کے تمام اخلاقی ومعاشرتی، انفرادی واجتماعی نظام کا تاروپود بکھیر دینے کا عزم کئے ہوئے ہے۔

جو لوگ اس خطرے کے حقیقی نتائج کا تصور نہیں

کر سکتے' ان کو امریکا کے معاشرے میں کنواری ماؤں' طلاق' شراب نوشی اور منشیات سے متعلقہ پرتشدد جرائم کے اعداد و شمار کا مطالعہ کر لینا چاہئے۔ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ریاست ہائے متحدہ امریکا کو اس کی جغرافیائی حدود سے نکال کر ایک نئی عالمی سلطنت بنانے کا خواب دیکھنے والے پوری دنیا میں کونسی تہذیب برآمد کرنے والے ہیں۔ امریکا کے اس نئے عالمی نظام کے ساتھ کونسی بنیادی اخلاقی اقدار ہمارے ملکوں میں رائج ہوں گی؟

لیکن ان مسائل اور سوالات سے امریکا کو کوئی غرض نہیں جو بغداد اور کابل میں اپنی افواج بھیج چکا ہے۔ انہیں غرض ہے تو عراق کے تیل کے وسیع ذخائر کے معاہدوں سے' چیک پوسٹوں سے' سیکیورٹی کے انتظامات سے' جن کے باعث عام شہریوں کی روزمرہ کی زندگی دوبھر ہو گئی ہے' مسلم ملکوں میں اپنی مستقل موجودگی سے' اسلامی تہذیب کو اس کی اصل اقدار سے محروم کر دینے سے۔

اس سوچے سمجھے منصوبے کا جواب سوچے سمجھے منصوبے سے دینا چاہئے۔ مسلم ملکوں کی اُن کٹھ پتلی حکومتوں کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے' اور بہت کچھ کہا جاتا رہے گا' جنہوں نے اپنے عوام کے ساتھ فریب کیا ہے۔ ایسی دھوکے باز' پٹھو حکومتوں کو ننگا کرنے کے ساتھ ساتھ' مسلم دنیا کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نئی سیادت و قیادت سامنے لائے جسے مجبور کیا جا سکے نہ خریدا جا سکے۔

یہ متبادل قیادت صرف اس وقت رونما ہو سکتی ہے' جب مسلمان مرد و زن' ہم عصر زمینی حقائق کا ادراک اسلام کے معتبر و معتمد مفکرین کو کرنی چاہئے۔ پھر اپنے اخذ شدہ نتائج کو ہر سطح پر پوری امتِ مسلمہ کے سامنے پیش کرنا چاہئے۔ اس کے لئے انتہائی منظم و مربوط فکری تنظیم و فعالیت کی ضرورت ہے' جس کی اثر پذیری پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہوں۔ یہ ہے وہ بڑی مہم جو جارحیت اور مظلومیت کے خوفناک چکر کو روک سکتی ہے' جس میں مسلمانانِ عالم گزشتہ تین سو سال سے پھنسے ہوئے ہیں۔

عراق کو جس آئینی اور سیاسی عذاب میں مبتلا کر دیا گیا ہے' اس سے نکلنے کی کوشش اپنے ساتھ چند سوالات لاتی ہے۔ اس مضمون میں انہی سوالات کا ذکر ہے۔

امید و بیم کی درمیان

ڈاکٹر سعید محمد

* امریکیوں نے عراق میں شدید مزاحمت و مخالفت کے باوجود اپنے تسلط و تصرف کو برقرار رکھنے کی پوری پوری کوشش کی ہے' لیکن دوسری طرف تفکرات اور پریشانیوں نے اس کا یہ حال کر دیا ہے کہ وہ اب عراق سے باعزت واپسی چاہتا ہے' لیکن اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیونکر۔ وہ کہتے یہی ہیں کہ ہم ضرورت سے زیادہ ایک دن بھی عراق میں نہیں رہیں گے' لیکن دل سے چاہتے ہیں کہ جلد از جلد اس کمبل سے جان چھڑائیں' لیکن میں تو اسے چھوڑتا ہوں' یہ مجھے نہیں چھوڑتا۔

عراق میں امریکا کے ایڈمنسٹریٹر پال بریمر نے ایک عرب ٹی وی کو حالیہ انٹرویو میں کہا ہے کہ اگر ایک سال کے اندر اندر عراق میں پارلیمانی انتخابات ہو جائیں تو وہ یہاں سے چلے جائیں گے۔ لیکن انتخابات کے انعقاد کے لئے جیسا سیاسی ماحول ہوتا ہے اور جیسے انتظامات درکار ہوتے ہیں' وہ ابھی عراق میں ممکن نظر نہیں آتے۔ گزشتہ چند ہفتوں میں اندرونی حالات میں ایسی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں' جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ امریکا توقع سے بہت جلد واپس چلا جائے گا اور جن سے یہ بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ عراق کا مستقبل کیا ہوگا۔ وہ تبدیلیاں کیا ہیں؟

اوّل یہ کہ امریکا کو اب معلوم ہو گیا ہے کہ عراق پر قبضہ سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے بہت مہنگا پڑے گا اس لئے وہ آئے دن کی جھک جھک سے عاجز آ گیا ہے اور پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔ عراق میں امریکا کے فوجی اخراجات کا تخمینہ چار ارب ڈالر ماہوار ہے۔ اگر وہ یہاں چار سال بھی مقیم رہے تو لگ بھگ 200 ارب ڈالر صاف ہو جائیں گے۔ یہ اتنی بڑی رقم ہے کہ امریکی معیشت اس نقصان کا وزن برداشت نہ کر سکے گی۔ اس رقم میں وہ اخراجات شامل نہیں ہیں جو عراق کی تعمیرِ نو پر صرف ہوں گے' جن کا اندازہ 200 ارب ڈالر سے بھی زیادہ لگایا گیا ہے۔

امریکی معیشت کی حقیقی صورت حال یہ ہے کہ 2001ء میں امریکا کا جنگی بجٹ 250 ارب ڈالر تھا۔ 2003ء میں اس کا خسارہ 400 بلین ڈالر سے بھی زیادہ ہو گیا ہے۔ جاپان' جرمنی اور دوسرے رئیس ممالک اس معاملے میں امریکا کی کوئی مدد کرنے کے لئے تیار نہیں' لہٰذا عراق کی تعمیرِ نو کا بجٹ بہت پتلا ہو گیا ہے۔ امریکا اور برطانیہ نے جنگ سے پہلے تعمیرِ نو کے جو بلند بانگ دعوے کئے تھے' ان کی قلعی کھلنے پر عراقیوں نے غم و غصے کا اظہار شروع کر دیا ہے۔ بصرہ میں' جو ملک کا بغداد کے بعد دوسرا بڑا شہر ہے اور جہاں برطانوی افواج کا ڈیرہ ہے عراقیوں نے بغاوت کر رکھی ہے۔

سیاسی طور پر امریکا ایسی صورت حال میں پھنس گیا' جس سے تحفظ اور سیکورٹی کے انتظامات درہم برہم ہو گئے اور خود مسلح امریکیوں کو جان کے لالے پڑ گئے ہیں۔ نامعلوم عناصر کی طرف سے حملوں میں شدت پیدا ہو گئی ہے۔ امریکی الزام لگاتے ہیں کہ یہ صدام حکومت کے بچے کھچے آثار کی کارروائی ہے' لیکن حقیقت میں یہ عراقی عوام کی کارروائی ہے۔ جو اوّل' اپنے ملک میں غیر ملکی فوجیوں کو برداشت نہیں کر رہے' دوم' ان کا نظم و نسق اور شہری سہولیات بھی ناکارہ اور ناکافی ہیں۔

امریکیوں کو اب یہ خیال زیادہ پریشان کرنے لگا ہے کہ وہ عراق میں زیادہ دیر قیام کریں گے تو انہیں ویت نام کی سی گوریلا جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ گوریلا جنگ کا خدشہ شروع ہی سے تھا' لیکن صدام حسین کی غلط پالیسی کی وجہ سے یہ خطرہ ٹل گیا تھا اور چند روزہ بڑی جنگ نے گوریلا جنگ کا امکان ختم نہیں تو ملتوی کر دیا تھا۔ اب امریکا کو وہاں جو جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے اور عراقیوں کی مزاحمت کے ہاتھوں جو ہزیمت ہر محاذ پر اٹھانی پڑ رہی ہے' اُسے دیکھتے ہوئے امریکیوں کے ساتھ ساتھ پوری دنیا کو گوریلا جنگ کا سایہ نظر آتا ہے۔

جب صدام حسین نے 2 اگست 1990ء کو کویت پر حملہ کیا تھا تو امریکا اس وسوسے میں پڑ گیا تھا کہ کہیں طویل گوریلا جنگ میں نہ پھنس جائیں' لیکن اُس وقت امریکا نے اپنی فوجی برتری اور اُس کے بھرپور مظاہرے سے اپنے نفسیاتی خوف پر قابو پا لیا تھا۔ اس مرتبہ صدام کا خوف اُن پر چھایا ہوا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب تک صدام روپوش ہے اور گرفتار نہیں ہوتا' اُس وقت تک وہ اپنے حواریوں کو اتحادی فوجوں پر چھاپے مارنے کی ترغیب دیتا رہے گا۔

علاوہ ازیں عراق کا مسئلہ ایک اور وجہ سے بھی صدر بُش اور وزیرِ اعظم ٹونی بلیئر کے لئے انتہائی پریشان کن بنا ہوا ہے۔ انہوں نے جنگ چھیڑنے کی بڑی دلیل یہ دی تھی

⇦

کہ عراق نے وسیع تباہی پھیلانے والے ہتھیار بنا کر چھپائے ہوئے ہیں۔ لیکن تلاش بسیار کے باوجود اب تک ایک بھی ہتھیار کا سراغ نہیں ملا۔ اس وجہ سے دونوں لیڈروں پر اپنے اپنے ملک میں یہ الزام عائد کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے اپنی خفیہ ایجنسیوں پر اعتبار کئے بغیر جنگ کے ایجنڈے پر اتنی عجلت میں عمل درآمد کیوں کیا۔ اس الزام میں سیاسی حلقوں کی جانب سے روز بروز شدت پیدا ہو رہی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ الزام دونوں کے لئے بہت بڑا سیاسی مسئلہ بننے والا ہے۔

پال بریمر نے زور دے کر کہا ہے کہ امریکی افواج ایک سال کے اندر اندر عراق سے چلی جائیں گی۔ اگر بریمر صاحب اپنے وعدے پر قائم رہے تو جنگ سے تھکے ہارے امریکی سپاہیوں کے لئے یہ خوش آئند بات ہوگی۔ آئے دن کے حملوں سے وہ تنگ آ چکے ہیں اور اُن کے کتنے ہی ساتھی ہلاک ہو چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس وعدے کے ایفاء ہونے پر اہل عراق بھی خوش ہوں گے جو امریکی تسلط کے خلاف کھلم کھلا مزاحمت کر رہے ہیں۔

امریکی و برطانوی افواج کی واپسی عراق میں قابل عمل حکومت کے قیام سے جڑی ہوئی ہے۔ یکم مئی کو جنگ سرکاری طور پر بند ہو گئی تھی۔ چھ ماہ تو گئے ہیں لیکن 25 رکنی ''عراقی حکمرانی کونسل'' کے سوا ایک بھی ادارہ قائم نہیں کیا جا سکا۔ کونسل نے بھی اپنے ہدف کا جو اعلان کیا ہے وہ تین بڑے کاموں پر مشتمل ہے۔ عبوری حکومت قائم کرنا' مستقل آئین کی تدوین و توثیق اور اولین پارلیمانی انتخابات کا انعقاد۔

عراقی حکمران (عبوری) کونسل نے' جس کے ارکان کا چناؤ امریکا نے اپنی صوابدید سے کیا ہے' ڈاکٹر ابراہیم الاجعفری کی صدر نشینی میں نو حضرات کی مجلس انتظامیہ بنائی ہے۔ ڈاکٹر ابراہیم کا تعلق ''جماعت دعوۃ اسلامی'' سے ہے' جسے صدام حسین کے غیظ و غضب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ پہلی خلیجی جنگ کے بعد (1980ء تا 1988ء) اس جماعت کے ہزارہا کارکنوں کو ماورائے قانون ظالمانہ اقدامات سے ہلاک کر دیا گیا تھا۔

''کونسل'' نے ایک عبوری حکومت قائم کی ہے جس میں ہر فرقے اور ہر جماعت کی ترجمان مشہور و معروف شخصیات کو نمائندگی دی گئی ہے' ڈاکٹر جعفری نے حال ہی میں بیان دیا ہے کہ آج عراق کا سب سے بڑا مسئلہ' جسے سب سے پہلے حل کرنے کی ضرورت ہے' وہ سیکورٹی اور امن و امان ہے' جس کے لئے کم از کم پولیس کی تعداد 70 ہزار ہونی چاہئے جبکہ فی الحال پولیس کی تعداد 25 ہزار سے بھی کم ہے۔ امن و امان کے مسئلے کے ساتھ ساتھ عام ضروریات زندگی مثلاً پانی اور بجلی کی فراہمی کا مسئلہ بھی انتہائی اہم ہے' جسے پہلی ترجیح کے طور پر حل کیا جانا چاہئے۔

کونسل عراق کا آئندہ ''آئین'' بھی تیار کرے گی اور آئندہ سال 2004ء میں کسی بھی وقت پارلیمانی الیکشن بھی کرائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ دستور کی تدوین و توثیق (امریکی منظوری کے ساتھ) اور پارلیمانی الیکشن کے انعقاد (امریکی مرضی کے مطابق) کے بعد ہی توقع کی جا سکتی ہے کہ امریکا اپنی فوج واپس بلائے گا۔ جن لوگوں کو آئین مرتب و تحریر کرنے کا کام سونپا گیا ہے' وہ عراق کے مختلف مذہبی فرقوں کے علمائے دین کو ہرگز منظور نہیں۔ وہ اکثر بیان جاری کرتے رہتے ہیں کہ امریکی ماہرین یا امریکا کی جانب سے نامزد عراقی ماہرین کا لکھا ہوا آئین انہیں کسی صورت بھی منظور نہ ہوگا۔

❁ ❁ ❁

عراق کو آج دنیائے اسلام کی مکمل اور بھرپور اخلاقی اور سیاسی حمایت اور مدد کی ضرورت ہے۔ مسلم ممالک اس امر کے ذمہ دار اور کفیل ہیں کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد ہو کر عصرِ حاضر کے چیلنجوں کا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مردانہ وار مقابلہ کریں۔

❁ ❁ ❁

عراق کو جس آئینی اور سیاسی عذاب میں مبتلا کر دیا گیا ہے' اُس سے نکلنے کی کوشش اپنے ساتھ چند سوالات لاتی ہے' جن کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔ مشرق وسطیٰ کے کسی ملک کو ایسا خوفناک عذاب نہیں سہنا پڑا۔ اس کو چار بڑی جنگوں کا سامنا کرنا پڑا' جن کے دوران اندرون ملک مسلسل ہیجان اور اضطراب کی کیفیت رہی۔ انسانی حقوق کی جتنی پامالی عراق میں ہوئی ہے' اتنی کسی اور عرب ملک میں نہیں ہوئی۔ پچھلے چند ہفتوں میں جتنی اجتماعی قبریں دریافت ہوئی ہیں' اُن سے معلوم ہوا ہے کہ گزشتہ 25 سال میں لگ بھگ تین لاکھ نفوس کو مختلف طریقوں سے موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

اہل عراق اتنی بڑی انسانی ہلاکتوں کی ذمہ داری زیادہ تر امریکا پر ڈالتے ہیں' کیونکہ یہ امریکا ہی تھا جس نے مارچ 1991ء میں جنوبی عراق میں لوگوں کو صدام حسین کے خلاف احتجاج اور بغاوت پر اُکسانے کا جرم کیا اور جب احتجاج کرنے والوں پر صدام نے جبر و تشدد کیا' تو امریکا نے اُن کی مدد بھی نہ کی۔ پہلی خلیجی جنگ کے دوران امریکا کے سپریم کمانڈر نارمن شوارزکوف نے اپنے ایک بیان میں اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے ندامت کا اظہار بھی کیا ہے کہ انہوں نے صدام حسین کی ایئر فورس کو جو ہیلی کاپٹر بھی دیئے تھے' وہ امریکی تھے اور صدام نے باغیوں کو کچلنے کے لئے یہی ہیلی کوپٹر استعمال کئے اور امریکا نے صدام کو یہ ہیلی کوپٹر اس لئے دیئے' کیونکہ انہیں آسانی سے ناکارہ بنایا جا سکتا تھا۔ اب امریکا نے ''عبوری کونسل'' سے کہا ہے کہ گزشتہ تیس سال کے دوران میں جن لوگوں نے عراق میں اجتماعی قتال اور انسانی حقوق پامال کئے تھے' اُن کا عدالتی احتساب کر کے قرار واقعی سزا دی جائے۔

امریکی کہتے ہیں کہ ہماری بڑی پریشانی یہ ہے کہ ہم عراق میں جو سرمایہ لگائیں گے اور تعمیر نو پر جو اربوں ڈالر خرچ کریں گے' وہ عراق کی ناسمجھی اور باغیانہ رویے کی وجہ سے ضائع نہ ہو جائے۔ ہم تو عراق کو اقتصادی طور پر مستحکم بنانے میں بہت مخلص ہیں' لیکن اگر عراقی ہی ہمارے مقصد میں شریک نہ ہوں تو ہماری تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکا کے یہ اندیشے حق بجانب ہیں۔ اُس کی پریشانی کا سبب وہ خود ہے۔ اس نے اول روز سے عراق کے بارے میں غلط پالیسی اختیار کی اور غلط اقدامات کئے۔ اُسے اپنی غلطیوں کا خمیازہ آج تک بھگتنا پڑ رہا ہے۔ جو بیج اس نے بویا تھا' اُس کی فصل اسے خود کاٹنی پڑ رہی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ عراق کو آج دنیائے اسلام کی مکمل اور بھرپور اخلاقی اور سیاسی حمایت اور مدد کی ضرورت ہے۔ امریکی قبضے کے خلاف اسلامیانِ عالم میں غم و غصہ قدرتی امر ہے' لیکن عراق کی غلطیوں کا کفارہ امریکا کیوں ادا کرے' دنیائے اسلام کیوں نہ ادا کرے؟ مگر افسوس کہ مسلم ممالک عراق کی مدد کرتے ہوئے جھجک اور کسی قدر خوف سے کام لے رہے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ صدام کے بعد امریکا ہی عراق کا معمار اور سرپرست ہے' تمام مسلم ممالک جن میں عرب بھی شامل ہیں' اس امر کے ذمہ دار اور کفیل ہیں کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد ہو کر عصرِ حاضر کے چیلنجوں کا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابلہ کرے۔

اسلامی تنظیم کی سربراہی کانفرنس اور جنرل مشرف کے عزائم

تحریر: مرزا ایوب بیگ

* اسلامی تنظیم کانفرنس کا سربراہی اجلاس ملائشیا کے دارالحکومت کوالالمپور میں 16 سے 18 اکتوبر تک منعقد ہو رہا ہے۔ مسلمان ممالک کی تنظیم OIC یعنی آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس کا قیام تینتیس (33) سال پہلے ہوا تھا۔ اب تک اس کے کئی سربراہی اجلاس ہو چکے ہیں لیکن یہ اجلاس نشستند، گفتند اور برخاستند جیسی ضرب المثل کے حقیقی مصداق ثابت ہوئے ہیں۔ ماہ و سال بلکہ ہر نیا دن امت مسلمہ کے لئے گمبھیر اور پیچیدہ مسائل میں اضافہ کر رہا ہے۔ اب تو یوں محسوس ہونے لگا ہے کہ ذلت و نکبت اور رسوائی اُمت مسلمہ کا مقدر بن چکی ہے اور اس سے نکلنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں جب مسلمانوں نے سامراجی قوتوں کے خلاف آزادی کی جدوجہد شروع کی تھی اور بہت سی آزاد مسلمان مملکتیں قائم ہوئی تھیں تو ایسا تاثر قائم ہوا تھا جیسے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا چاہتا ہے۔ لیکن تاریخ کا فیصلہ یہ سامنے آیا کہ سامراجیت کے سانپ نے کینچلی بدلی تھی اور محض عسکری قبضے ختم کئے گئے تھے کیونکہ وہ جانی اور مالی لحاظ سے ان کے لئے بہت گراں ثابت ہو رہے تھے لہٰذا نو آزاد مسلمان ریاستوں کو اقتصادی طور پر شکنجے میں کس دیا گیا۔ ان مقروض اور مفلوج ممالک میں بطور حاکم ان لوگوں کو مسلط کیا جاتا ہے جو مسلمانوں سے زیادہ اپنے بیرونی آقاؤں کے مفادات کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے اقتدار کا کلی انحصار چونکہ ان ہی بیرونی آقاؤں پر ہوتا ہے لہٰذا وہ عوام کو اعتماد میں لینے کی بجائے ہر وقت ان دشمنانِ اسلام کی چاپلوسی میں سبقت لے جانے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ او آئی سی کے اجلاس میں چٹکلوں کا تماشا ہوتا ہے۔ کھلے اجلاس میں کسی مملکت کے سربراہ کا جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے حقیقی دشمنوں کی نشاندہی کرنا تو دور کی بات ہے وہ ان کیمرہ اجلاس میں بھی مسلمانوں کے دشمنوں کے خلاف کوئی بات نہیں کرتے کیونکہ انہیں خدشہ ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا اُن کی رپورٹ نہ کر دے اور وہ اقتدار سے محروم نہ ہو جائے۔

اس صورت حال میں او آئی سی سے کسی معجزے کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔ بہرحال دو اعتبار سے 16 اکتوبر سے شروع ہونے والی یہ سربراہ کانفرنس کچھ مختلف معلوم ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ اجلاس ملائشیا میں ہو رہا ہے جہاں کا موجودہ حکمران مہاتیر محمد مسلمان حکمرانوں میں واحد شخصیت ہے جو منہ میں زبان رکھتا ہے اور یہ زبان کبھی کبھی مسلم دشمن سامراجی قوتوں کے خلاف بھی استعمال ہوتی

> زیر زمین معدنی دولت کے لحاظ سے افغانستان عراق سے بھی بڑا امیر ملک ہے اور ایک ایٹمی سائنس دان کے بقول دنیا کا امیر ترین ملک ہے۔

ہے۔ علاوہ ازیں وہ کئی مرتبہ او آئی سی کے ڈھیلے کمزور اور بے ضرر کردار پر تنقید کر چکے ہیں اس کانفرنس کی دوسری خصوصی اور اہم بات یہ ہے کہ صدر مشرف نے عندیہ دیا ہے کہ وہ او آئی سی کی نئے خطوط پر تشکیل کے لئے ایک کمیشن قائم کرنے کی تجویز پیش کریں گے۔ انہوں نے اپنے اس ارادے کا اظہار بھی کیا ہے کہ وہ حالیہ اجلاس میں روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی سوچ کو اپنانے کی تجویز بھی پیش کریں گے۔

راقم کو آج اس روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی سوچ پر کچھ گفتگو کرنا ہے۔ روشن خیال اور اعتدال پسند کس قدر خوبصورت اور دلنشیں الفاظ ہیں۔ کوئی انسان بقائمی ہوش و حواس روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا منکر نہیں ہو سکتا۔ ایک بات ظاہر و باہر ہے کہ اجتماعی سطح پر یعنی قوم یا اُمت کی سطح پر روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا ذکر ہو رہا ہے۔ اجتماعی سطح پر انسانی زندگی کے تین بڑے گوشے ہیں۔ سیاسی معاشی اور معاشرتی۔ ظاہر ہے صدر مشرف کا مقصد یہ ہے کہ اجتماعی زندگی کے مذکورہ گوشوں میں امت مسلمہ تبدیلی لائے تاکہ اس تصادم سے بچا جا سکے جس کے دہانے پر آج مغرب اور مسلمان ممالک ہونے کی دعوے دار ریاستیں پہنچ چکی ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تصادم شروع ہو چکا ہے۔ صدر مشرف صدق نیت ہو سکتے ہیں کہ انہیں اس تصادم میں مسلمان بہت ہی کمزور اور بے دست و پا نظر آتے ہیں اور وہ مسلمان ہونے کے ناطے انہیں شکست خوردہ اور ملیا میٹ ہوتے دیکھنا نہیں چاہتے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اختلافات کہاں ہیں اور تصادم سے بچنے کے لئے انہیں دور کیسے کیا جانا چاہئے۔

اجتماعی زندگی کا سیاسی گوشہ

سب سے پہلے ہم اجتماعی زندگی کے سیاسی گوشے کو لیتے ہیں۔ اس گوشے کا جزو اعظم کسی ملک کا طرزِ حکومت ہے۔ مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن حکیم سلطنت کے اُمور و معاملات کو باہمی مشورے سے چلانے کا اشارہ دیتی ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مغرب نے نظام حکومت کو احسن طریقے سے چلانے کے لئے ادارے قائم کئے اور انہیں خوب مستحکم کر دیا۔ یقیناً اپنی دینی بنیادوں پر قائم رہتے ہوئے ہمارے لئے ایسے اداروں کا قیام اور استحکام قابل رشک بھی ہے اور قابل تقلید بھی۔ لیکن اختلاف اس نکتے پر نہیں ہے۔ ہر چند امریکہ اور مغرب جمہوریت کو اپنا ایمان قرار دیتے ہیں لیکن گزشتہ نصف صدی کے واقعات پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جمہوریت اور انسانی حقوق کا علم بردار امریکہ مسلمان ممالک میں فوجی طالع آزماؤں کی کس طرح پشت پناہی کرتا رہا ہے۔ اکثر عرب ممالک میں بادشاہت اور امارت پیدائشی حق ہے۔ ان غیر نمائندہ حکمرانوں کے ساتھ امریکیوں کے انتہائی دوستانہ اور محبت آمیز تعلقات ہیں۔ خود پاکستان میں فوجی طالع آزماؤں کو امریکہ کی آشیرواد حاصل رہی ہے۔ پھر یہ کہ جنرل مشرف سیاسی سطح پر روشن خیالی کی تجویز کس بنیاد پر پیش کر سکتے ہیں؟ جبکہ ان کے اپنے ہاتھ جمہوریت اور جمہوری اداروں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ علم و ہنر اور حساس ٹیکنالوجی کے حصول کو اگر سیاسی روشن خیالی کا حصہ بنایا جائے تو خود مغرب اور امریکہ (خصوصاً نائن الیون کے بعد) مسلمانوں کے لئے یہ سب کچھ شجر ممنوعہ بنانا چاہتے ہیں۔

جبکہ علم و ہنر کا حصول ہم مسلمانوں کے لئے لازم سمجھتے ہیں لہٰذا اس سے اختلافات کم نہیں ہوں گے بلکہ ان میں شدت پیدا ہو جائے گی؟

اجتماعی زندگی کا معاشی گوشہ

اجتماعی زندگی کے دوسرے گوشے یعنی معاشی نظام میں بنیادی اختلاف سودی اور غیر سودی معیشت کا ہے۔ اس معاملے میں ہم پہلے ہی سجدہ سہو کر چکے ہیں۔ سودی معیشت کے معاملے میں کسی مسلم ملک نے سیدھے ہاتھ سے ناک پکڑی ہے اور کسی نے بازو گھما کر ناک پکڑی ہے۔ عملاً ہر مسلم ملک میں سودی معیشت رائج ہے۔ اس معاملے میں مزید روشن خیالی یہی ہو سکتی ہے کہ ہم علمی سطح پر بھی تسلیم کر لیں اور اعلان کر دیں کہ غیر سودی معاشی نظام فرسودہ اور ناقابل عمل ہے اور سودی معیشت اختیار کرنا ناگزیر ہے۔

چودہ سو سال پہلے کے قرآنی حکم پر آج کے دور میں عمل نہیں ہو سکتا (معاذ اللہ)۔ عجیب بات یہ ہے کہ نافرمان مسلمانوں کو اللہ نے دنیا میں ایسے علاقے عطا کئے ہیں جو کہ زیر زمین معدنی دولت سے مالا مال ہیں۔ امریکہ یہ دولت ہتھیانا چاہتا ہے۔ افغانستان اور عراق پر امریکی قبضہ اس کا واضح اور ناقابل تردید ثبوت ہے۔ یاد رہے زیر زمین معدنی دولت کے لحاظ سے افغانستان عراق سے بھی بڑا امیر ملک ہے اور ایک ایٹمی سائنس دان کے بقول دنیا کا امیر ترین ملک ہے۔ اگر امریکہ کی ہوس زر بڑھتی چلی گئی اور اُس کی مزاحمت ختم کر دی جائے تو مسلمانوں کے تمام مالی وسائل امریکہ کے حوالے کئے بغیر اختلافات کی خلیج پائی نہیں جا سکے گی۔ عراقی اور افغانی سمجھتے ہیں کہ ان کے گھر پر غیر نے قبضہ کر لیا ہے۔ اہم سوال یہ ہے کہ اہل خانہ ڈاکو سے کیا سلوک روا رکھیں۔ دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ رضا و رغبت سے اس کے قبضے کو تسلیم کر لیا جائے۔ دوم یہ کہ اس کے خلاف مزاحمت کی جائے۔ امریکہ اہل خانہ کی مزاحمت کو دہشت گردی قرار دیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہاں تصادم ٹوٹا لنے کے لئے اور اُس سے بچنے کے لئے کس طرح کی روشن خیالی مطلوب ہے۔ اپنی تقریر میں صدر مشرف پر اس کی وضاحت لازم ہے۔ جنرل مشرف بھی اسی سطح پر مسلمان ممالک کو روشن خیالی اپنانے کا زوردار مشورہ دیں گے۔

اجتماعی زندگی کا معاشرتی گوشہ

راقم کی رائے میں اصل اور بنیادی اختلاف معاشرتی سطح پر ہے۔ معاشرتی سطح پر روشن خیالی کا اپنا اپنا معیار ہے۔ ایک عملی مسلمان کی روشن خیالی یہ ہے کہ وہ صحیح معنوں میں اور مبنی بر انصاف بنیادوں پر انسانی حقوق کا علمبردار بنے۔ مرد اور عورت الگ الگ جنس ہونے کے باوجود انسان ہونے کے ناطے مساوی ہیں۔ اپنے جبلی تقاضوں اور جسمانی ساخت کے مطابق دنیا میں ان کے الگ الگ دائرہ کار ہیں۔ اپنے اپنے دائرہ کار میں آگے بڑھنے کے اُن کے لئے مساوی مواقع ہونے چاہئیں۔ مخلوط معاشرہ مخلوط محفلیں اور مرد و زن کا غیر ضروری میل ملاپ فتنہ و فساد برپا کرتا ہے۔ اور یہ فتنہ یورپی اور امریکی معاشرے کا سرطان بن چکا ہے۔ لہٰذا ایک عملی مسلمان کے نزدیک مرد اور عورت کے مابین پردہ اور حجاب روشن خیالی کی اعلیٰ ترین صورت ہے۔ ایک لبرل اور غیر عملی مسلمان پردہ اور حجاب روشن خیالی سے متصادم سمجھتا ہے۔ وہ مخلوط محافل میں بھی کوئی ہرج نہیں سمجھتا۔ وہ حصول علم اور روزگار کے لئے بھی اس اختلاط کو روشن خیالی کا حصہ تصور کرتا ہے البتہ مرد و زن کی جنسی بے راہ روی کو معیوب گردانتا ہے اور اسے اعتدال پسندی کے منافی قرار دیتا ہے جبکہ مغربی اور امریکی معاشرہ برضا و رغبت جنسی تعلقات قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا اور اس پر اعتراض کو روشن خیالی سے متصادم تصور کرتا ہے۔ البتہ وہاں اکثر شہری ہم جنس پرستی کو معیوب جانتے ہیں، لیکن ہم جنس پرست گروہ کی روشن خیالی یہ ہے کہ ایسی کوئی قید نہیں ہونی چاہئے۔ اس پس منظر میں ان کی یہ دلیل بڑی وزنی معلوم ہوتی ہے کہ صاحب اصل بنیادی اور فیصلہ کن بات باہمی رضامندی ہے تو پھر دو عورتیں یا دو مرد رضامندی سے ہر قسم کے تعلقات کیوں قائم نہیں کر سکتے۔ یہاں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ جنرل مشرف روشن خیالی کے ساتھ ساتھ اعتدال پسندی کا ذکر بھی کر رہے ہیں۔ تو میری ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ اعتدال کیا ہے۔ اس کے تعین میں بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ فرق واقع ہوتا رہتا ہے۔ ہمارے بزرگ جن چیزوں کو بے حیائی گردانتے تھے آج معتدل وہ سمجھی جاتی ہیں۔ آج کے بے حیائی کے کام کل معتدل سمجھے جائیں گے۔ مغربی معاشرہ اگر اسی ڈگر پر چلتا رہا اور ہم اس کے نیک چلن مقلد بنے رہے تو ہم جنس پرستی بھی بے حیائی نہیں رہے گی۔ آزادی، مساوات اور انسانی حقوق کا حصہ بن جائے گی۔

راقم کی رائے میں دہشت گردی اور وہ بھی صرف سویلین آبادی کے ساتھ انتہائی مکروہ فعل ہے لیکن دین کی خراش تراش، تاکہ اسے مغربی آقاؤں کی نگاہ میں قابل قبول بنایا جائے، بدترین قسم کی دہشت گردی ہے۔ اور یہ طرز فکر اُمت مسلمہ کے لئے ہلاکت خیز ثابت ہوگا۔ ہمارے لئے بہترین راستہ یہ ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی سطح پر اسلام بحیثیت دین نافذ کرنے کی کوشش کریں۔ علم و ہنر اور جدید ٹیکنالوجی کے حصول کے ذریعے اپنی طاقت میں خاموشی سے اضافہ کریں۔ اپنے دین کے بنیادی اصولوں سے چمٹ جائیں اس معاملے میں خواہ مخواہ کی تاویلات اور عملیت پسندی سے بچیں۔ جارحیت یا تشدد میں پہل نہ کریں لیکن حق و صداقت کی راہ پر ڈٹے رہیں۔ ظلم، جہالت اور منکرات کے خلاف جہاد جاری رکھیں۔ اس پر اگر قتال ہم پر آن گرے تو کٹ مریں لیکن دین کے بنیادی اصولوں سے منحرف نہ ہوں۔ اُمت مسلمہ کو بحران سے نکالنے کا واحد حل یہی ہے، وگرنہ دین کی خراش تراش سے آپ کبھی دشمن کو مطمئن نہ کر سکیں گے۔

رمضان شریف میں تلاوت کے لئے دستیاب ہیں:

☆ قرآن مجید بمعہ انگریزی ترجمہ مجلد 622 صفحات -/100 روپے

☆ قرآن مجید، انگریزی و اردو ترجمہ مجلد 584 صفحات -/100 روپے

☆ قرآن مجید، بغیر عربی متن غیر مسلموں کو دینے کے لئے کارڈ کور

کمپیوٹر چھپائی ہر آیت الگ 478 صفحات -/70 روپے

لیفٹیننٹ کرنل (ر) محمد ایوب خان

294 گلی نمبر 18 ایکسٹینشن کیولری گراؤنڈ

لاہور کینٹ فون: 6650120

شہر بہ شہر، قصبہ بہ قصبہ ''تنظیم اسلامی'' کی سرگرمیاں اور اطلاعات

تنظیم اسلامی صادق آباد کے زیر اہتمام جلسۂ عام

28 ستمبر کو یہ جلسۂ عام ٹبی بگھاور (نواز شریف ٹاؤن)' صادق آباد میں منعقد ہوا۔ جامع مسجد عثمان غنی میں اس کا اہتمام ٹاؤن میں رہائش پذیر حضرات کی فرمائش پر رفیق تنظیم شفیق احمد صاحب نے کیا۔ اس جلسے کے انعقاد میں امام مسجد قاری محمد شفیع صاحب کا بھرپور تعاون شامل تھا۔ بعد نمازِ مغرب حافظ خالد شفیع صاحب (امیر مقامی تنظیم) نے معراج النبی ﷺ کے حوالے سے سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے شب و روز کے معمولات میں سیرت طیبہ کی پیروی کو اپنا شعار بنائیں' اسی میں ہماری دنیا اور آخرت کی کامیابی مضمر ہے۔''

بستی کے لوگوں بالخصوص نوجوانوں کی کثیر تعداد نے اس پروگرام میں بھرپور شرکت کی اور تنظیم اسلامی کا مشن آگے بڑھانے کے لئے اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ نمازِ عشاء پر یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ (رپورٹ: ناظم نشر و اشاعت)

تنظیم اسلامی حلقہ سندھ زیریں کا شب بسری پروگرام

مورخہ 20/21 ستمبر 2003ء کو قرآن اکیڈمی ڈیفنس میں تنظیم اسلامی حلقۂ سندھ زیریں کے تحت شب بسری کا پروگرام منعقد ہوا جس میں میزبانی کے فرائض تنظیم اسلامی لانڈھی نے انجام دیئے۔ رات نو بجے پروگرام کا آغاز ہوا۔ تنظیم اسلامی شاہ فیصل رلیر کے امیر جناب اعجاز لطیف صاحب نے مولانا امین احسن اصلاحی کی کتاب ''دعوتِ دین اور اس کا طریقۂ کار'' کے ضمن میں ''مخاطب کی نفسیات'' کے لحاظ سے اصول بیان فرمائے۔ اس کے بعد ایک سالہ کورس کے طالب علم جناب رضوان عزمی نے ایک نظم پڑھ کر سنائی۔ راقم نے شکر کے موضوع پر درس دیتے ہوئے کہا کہ ''اگر تم اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو ان کا شمار نہ کرسکو گے''۔ اس کے بعد رات کے سیشن کا اختتام ہوا۔ ساڑھے چار بجے شرکاء کو تہجد کے لئے اٹھایا گیا۔ فجر کی نماز کے بعد جناب شجاع الدین شیخ صاحب نے درسِ حدیث دیا۔ آٹھ بجے تک ناشتہ کے لئے وقفہ تھا اور آٹھ بجے جنوبی کے ایک رفیق جناب محمد زبیر اقبال نے سورۃ التغابن کے پہلے رکوع کا درس دیا۔ یہ نوجوان ساتھی ہیں اور پہلی دفعہ کسی بڑے مجمعے کے سامنے بیان کر رہے تھے۔ نہایت اعتماد کے ساتھ متن پڑھا اور پھر تشریح کی۔ اس کے بعد جناب اختر ندیم صاحب نے قرآن اور حدیث کی روشنی میں حالاتِ حاضرہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ افغانستان' کشمیر اور فلسطین میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم پر مسلمان ممالک کی جانب سے خاموشی اختیار کئے رکھنے پر اظہار افسوس کیا۔ بعد میں تنظیم اسلامی سوسائٹی کے امیر جناب نوید احمد صاحب نے ''انفاق فی سبیل اللہ'' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ رفقاء سے گزارش ہے کہ اب پانچ فیصد اعانت کا لزوم ختم کردیا گیا ہے اور جتنی آسانی سے میسر ہو اتنا دیا جائے' البتہ پانچ فیصد کا ہدف پیش نظر ہے اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''اے نبی ﷺ وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں' ان سے فرمادیجئے ''قل العفو'' یعنی ضرورت سے زیادہ جو بھی ہے' اسے اللہ کی راہ میں خرچ کردیا جائے۔ اس کے بعد امیر حلقہ جناب نسیم الدین صاحب نے رفقاء کو آئندہ ہونے والے پروگرامات خصوصاً رمضان المبارک میں ہونے والے دورۂ ترجمۂ قرآن کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد تنظیم اسلامی لانڈھی کے رفیق نے اپنی تنظیم کا تعارف کرایا۔ مسنون دعا پر اس پروگرام کا اختتام ہوا۔ (رپورٹ: توحید خان)

ناظم اعلیٰ' تنظیم اسلامی کا دورۂ حلقہ سندھ زیریں

محترم ناظم اعلیٰ' تنظیم اسلامی اظہر بختیار خلجی صاحب نے مورخہ 25' 26 ستمبر 2003ء کو حلقہ سندھ زیریں کا دورہ کیا۔ شام چار بجے وہ دفتر حلقہ پہنچے' امیر حلقہ جناب محمد نسیم الدین صاحب سے مختلف امور پر تبادلۂ خیال کیا۔ پروگرام کے مطابق بعد نمازِ عصر امیر حلقہ سندھ زیریں کے ہمراہ دفتر تنظیم وسطی کا دورہ کیا' وہاں کے ذمہ داران سے ملاقات کی۔ رفقاء کے تنظیم کے متعلق سوالات کے جوابات دیئے اور زیر تعمیر قرآن اکیڈمی لیسین آباد کا معائنہ کیا اور بعض مشورے بھی دیئے۔ بعد نماز مغرب دفتر حلقہ واپسی ہوئی اور امیر حلقہ سندھ زیریں سے متعلقہ امور پر تبادلہ خیال مکمل کیا۔

بعد نمازِ عشاء انہوں نے راقم اور امیر حلقہ کے ہمراہ دفتر تنظیم شرقی کا دورہ کیا اور تنظیم کی عاملہ سے ملاقات کی' عاملہ کے اراکین نے چند اشکالات پیش کئے جن کے ناظم اعلیٰ نے نہایت تشفی بخش جوابات دیئے۔ ذمہ داران کے ساتھ یہ ملاقات انتہائی کامیاب رہی جس سے ان میں ایک نئے جوش اور ولولے کے ساتھ کام کرنے کا جذبہ بیدار ہوا۔ بعد ازاں معتمد تنظیم شرقی کے دولت خانہ پر کھانے کا اہتمام ہوا۔

مورخہ 26 ستمبر بروز جمعۃ المبارک کی صبح قرآن اکیڈمی ڈیفنس میں رفقاء سے ملاقات کی۔ بعد نمازِ جمعہ قریباً تین بجے حیدر آباد کے لئے ہماری روانگی ہوئی اور نمازِ عصر سے قبل الحمد للہ منزل پر پہنچ گئے۔ حیدر آباد میں حلقہ سندھ زیریں کے تحت ایک منفرد اسرہ قائم ہے جس کے رفقاء کی تعداد بارہ ہے۔ یہاں پر رفقاء کے اندر فکر کو تازہ کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی جس کی امیر حلقہ بھی گاہے بگاہے کوششیں کرتے رہتے ہیں اور ناظم اعلیٰ صاحب بھی ان کی حوصلہ افزائی کے لئے تشریف لے گئے۔ ان کی آمد کی اطلاع تمام رفقاء اور دیگر احباب کو ایک خط کے ذریعے دی گئی' الحمد للہ رفقاء و احباب کی طرف سے بہت اچھا response ملا۔ گیارہ رفقاء اور چودہ احباب پروگرام میں موجود تھے۔ حیدر آباد میں کام کرنے کی مشکلات کے بارے میں ناظم اعلیٰ صاحب نے دریافت کیا' ان مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے سیرت کی روشنی میں رفقاء سے تذکیری بیان فرمایا' الحمد للہ ان کی گفتگو سے رفقاء پر بہت مثبت اثر دیکھنے میں آیا۔ انہوں نے اپنی گفتگو کے دوران رفقاء پر زور دیا کہ وہ اپنی مصروفیات کے ساتھ ساتھ دین کی دعوت پھیلانے پر توجہ دیں جو ان کے لئے توشۂ آخرت ہے' اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے تنظیم اسلامی کی صورت میں ہمیں ایک پلیٹ فارم مہیا کر دیا ہے' جہاں ہم ایک جماعت میں جڑے ہوئے ہیں۔ ان کی اس تذکیری گفتگو سے رفقاء میں کام کرنے کا ایک نیا جذبہ پیدا ہوا اور ان کے اشکالات بھی دور ہوئے۔

رات کا کھانا نقیب اسرہ عبد القادر کے گھر پر ہوا۔ رات 10:30 بجے حیدر آباد سے واپسی ہوئی۔ محترم ناظم اعلیٰ سفر کی تھکان اتارنے اور رات کا کچھ حصہ دفتر حلقہ میں گزارنے کے بعد صبح 5:00 بجے واپس لاہور کے لئے روانہ ہوگئے۔ (رپورٹ: محمد عمران خان)

جیل کی ایک رات

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری
تنہا پسِ زنداں کبھی رسوا سرِ بازار

زندگی ایک عجیب موڑ کاٹتی ہوئی مجھے جیل کے سلاخوں کے پیچھے لائی' جہاں پر مختلف قسم کے چہرے رہ رہے تھے۔ کوئی قاتل ہے تو کوئی ڈاکو' کوئی سمگلر ہے تو کوئی زانی' کوئی شرابی ہے تو کوئی راہزن' کوئی جیب کترا ہے تو کوئی چور' گویا ہر ایک کسی نہ کسی جرم میں گرفتار کر کے لایا گیا ہے۔ لیکن میں وہ ہوں جس کا براہ راست تو کوئی جرم نہیں البتہ میں بیٹا ہوں ایک ایسے شخص کا جس نے میراث میں لاکھوں کا قرض چھوڑا ہے ـــــ جسے اتارنا میرے بس سے باہر ہے۔ اسی جرم کے ارتکاب میں مجھے یہاں لایا گیا ہے۔ باہر کی آزاد دنیا کے مقابلے میں یہاں صورت حال یہ ہے کہ میں اٹھ کر موٹی موٹی سلاخوں میں سے جھانک کر دیکھ بھی نہیں سکتا تھا ورنہ وہ سامنے کرسی پر جم کر بیٹھا ہوا بڑی بڑی مونچھوں والا بے ڈھنگ سی شکل والے درندہ نما انسان جس نے ایک شخص کو قتل کر کے اس کی بیوی کو اغوا کیا ہے' مجھے ڈنڈوں کی زد میں لے آئے گا۔ ایک لمحہ کے لئے سوچتا ہوں تو جہنم پر معمور فرشتے یاد آتے ہیں جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے کہ وہ بہت قوی ہوں گے اور بہت سخت دل ⇦

والے ہوں گے' اُن کو کسی پر ترس نہیں آئے گا۔ یہ جہنم کی ایک معمولی سی جھلک تھی جس کا میں نے مشاہدہ کیا۔ رات کو مچھروں نے مجھے کافی تنگ کیا' نیند بھی نہیں آ رہی تھی' ایک رات قبل میں اپنے بچوں کے ساتھ اپنے غریب خانہ میں آرام سے سو رہا تھا' مجھے اور میرے بچوں کو کیا معلوم تھا کہ اگلی رات زمین پر بغیر بستر اور سرہانے مچھروں کے غول میں گزرے گی لیکن یہاں مجھے قرآن مجید کی وہ پکار یاد آئی جہاں انسانوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ آپ دنیا کی سوچوں اور فکروں میں گم ہوں گے کہ اچانک موت (قیامت) آپ کو آ پکڑے گی پھر تجھے کوئی مفر نہیں ہوگا۔

قرآن مجید میں آتا ہے کہ جہنمیوں کا کھانا کھولتا ہوا پانی اور زقوم ہوگا' جسے کھا کر کلیجہ باہر کو آئے گا جیل کا کھانا دیکھ کر ایک لمحہ کے لئے جہنم کا یہ منظر آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ گندے پانی میں مسور کی دال اُبال کر بغیر گھی اور نمک کے کھلائی جاتی ہے۔ روٹی کا یہ حال ہوتا ہے کہ ایک دیوانہ شخص ہے جو کہ آٹا گوندھ رہا ہے' جس کے کپڑے اتنے میلے کچیلے ہیں کہ کچھ فاصلے پر بھی اس سے اٹھتی ہوئی بو آپ محسوس کریں گے اور اس کے بازوؤں پر پڑا ہوا میل تو میں کبھی بھول نہ سکوں گا۔ چائے کا حال تو بتانے کا نہیں ہے۔ میری بدقسمتی یہ تھی کہ قیدی کو پہلے پہلے لنگر میں لایا جاتا تھا جہاں پر قیدیوں سے کام کروایا جاتا ہے۔ مجھے بھی لایا گیا ابھی ایک گھڑی بھی نہیں گزری تھی کہ ایک گینڈا نما انسان نے دال کے ایک بہت بڑے برتن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا "اے شیخ جاؤ اسے جلدی سے صاف کر کے دھو لو دیر ہو رہی ہے" مجھے عجیب سا لگا' میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ اس نے دو قتل کئے ہیں اور بعد میں ایک مقتول کے پورے مکان کو آگ لگا کر جلا دیا' جس میں سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو بمشکل بچایا گیا تھا اب اس لنگر کے قیدیوں پر نگران ہے۔ اس سرگزشت کو سن کر دل میں ایک عجیب سی لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔

میرے لئے سب سے زیادہ دردناک اور کربناک بات یہ ہے کہ یہاں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جو کہ اپنی مجرم ماؤں کے ساتھ ان بند بارکوں میں رہ رہے ہیں بلکہ چند معصوم بچے تو ایسے ہیں کہ ایک بارک میں ماں ہے تو دوسرے بارک میں باپ۔ آخر ان کا کیا مستقبل ہوگا؟ کیا تعلیم ان کا حق نہیں ہے؟ کیا باہر کھلی فضا میں سانس لینا ان کا حق نہیں بنتا ہے؟ کیا یہ باہر دوسرے بچوں کی طرح کھیل کود میں حصہ لینے کے حق دار نہیں ہیں؟ یہ حقوق کس نے ان سے چھینے ہیں؟ کیا جیل کے ان بند بارکوں کے اندر اس گھٹن زدہ ماحول میں ان بے شمار جرائم میں ملوث افراد کے ساتھ یہ بے گناہ اور معصوم بچے زندگی بسر کریں گے اور واقعہ یہ ہے کہ اُس معصوم رفیع اللہ کی چیخیں شاید عمر بھر بھول نہ سکوں جب وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا ہوا اپنی ماں کے بارک سے باپ والے بارک میں آیا تھا اور کچھ دیر بعد جب بارکوں کو بند کرنے کا وقت آیا' وہ جانا نہیں چاہتا تھا' اُسے زبردستی باہر لایا جا رہا تھا' اس کی چیخیں تا حال میرے دماغ میں گونج رہی ہیں۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ جس باپ کے لئے میں رو رہا ہوں اسی کے ہاتھوں میرا مستقبل تاریک ہے۔ ابھی میں ان ہی سوچوں اور فکروں میں تھا کہ باہر سے میری رہائی کا پروانہ آن پہنچا۔ اس کیفیت کو تو شاید میں الفاظ کا روپ نہ دے سکوں۔ اس موقع پر بھی مجھے اس گنہگار بندے کی خوشی کی کیفیت کا منظر سامنے آیا جب اسے جہنم سے نجات دے کر جنت کا پروانہ عطا کیا جائے گا۔

میں جب جیل سے باہر آ رہا تھا تو ان بچوں کا فکر بہت شدت سے دامن گیر تھا' جی چاہ رہا تھا کہ ان کو ساتھ لے کر سکول میں داخل کرا دوں' ان کی تربیت کروں' ان کو اپنے ساتھ اپنے گھر میں پالوں' ان کو مستقبل کے جرائم سے بچا کر مہذب بنا لوں' اُن کو کھیل کود کا موقع فراہم کروں' بازاروں اور میلوں میں گھما کر سیر کراؤں' لیکن ہمیشہ کی طرح بے بسی اس موقع پر بھی رکاوٹ بنی اور ایک گہری سانس لے کر پانچ بڑے دروازوں کو عبور کر کے ان معصوم اور پھولوں کی طرح حسین بچوں کو اللہ کے رحم و کرم پر چھوڑ کر باہر آ گیا۔ (تحریر: شاہ وارث' معتمد حلقہ سرحد شمالی)

گوجر خان میں دعوتی و تربیتی پروگرام

مسجد العابد گوجر خان میں ایک دعوتی و تربیتی پروگرام مورخہ 26 ستمبر بروز جمعہ منعقد ہوا۔ پروگرام بعد نمازِ عصر شروع ہوا اور رات گیارہ بجے تک جاری رہا۔ سٹیج سیکرٹری کی ذمہ داری جناب ساجد حسین صاحب نے نبھائی۔ سب سے پہلے چوہدری محمد امین صاحب نے سورۃ الفاتحہ پر درس دیا۔ انہوں نے الفاظ کے معانی بتاتے ہوئے سورہ کی مفصل تشریح کی۔ اس کے بعد جناب اللہ دتہ صاحب نے درسِ حدیث دیا۔ ان کا درس نہایت اصلاحی اور ایمان افروز تھا۔

بعد نمازِ مغرب محترم فاروق حسین صاحب کا خطاب بعنوان "دینی فرائض کا جامع تصور" تھا' جس کے لئے چند احباب کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ تلاوت کی سعادت ننھے رفیق عثمان فاروق نے حاصل کی۔ فاروق حسین صاحب کے خطاب کا خلاصہ یہ تھا کہ سب سے پہلے ہمیں خود اللہ کا بندہ بننا ہوگا' جس کے لئے ضروری ہے کہ دین اسلام کے تمام احکامات پر عمل پیرا ہوا جائے اور تقویٰ کی روش اختیار کی جائے۔ اس کے بعد ہمیں دین کی دعوت دوسروں کو دینا ہوگی اور انہیں نیکی کی تلقین کرنا ہوگی اور برائی سے روکنا ہوگا' تا کہ لوگوں پر حجت قائم کی جا سکے۔ لوگوں تک دعوت پہنچانے کے ساتھ ساتھ ہمیں دین کو قائم کرنے کے لئے بھی جدوجہد کرنا ہوگی' تا کہ دین اسلام تمام ادیان پر غالب ہو سکے اور اللہ کا کلمہ سب سے بلند ہو جائے۔ یہ تمام ذمہ داریاں اسی وقت پوری ہو سکتی ہیں جب ہم قرآن کو اپنا امام بنائیں گے۔ دین کو قائم کرنے کے لئے ہمیں کسی جماعت میں بھی شامل ہونا ہوگا اور جماعت وہ جو بیعت کی بنیاد پر قائم ہوئی ہو۔

بعد نمازِ عشاء محترم قاضی عبدالرشید صاحب نے "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کے موضوع پر خطاب کیا۔ تقریباً 25 منٹ کے کھانے کے وقفے کے بعد پروگرام دوبارہ شروع ہوا تو راقم الحروف کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ موضوع تھا "رفقاء کے باہمی تعلقات" آخر میں امیر تنظیم اسلامی گوجر خان جناب مشتاق حسین صاحب نے اختتامی کلمات ادا کئے اور مسنون دعا کے ساتھ یہ محفل اختتام پذیر ہوئی۔ اس پروگرام میں تقریباً 42 رفقاء و احباب نے شرکت کی۔

(رپورٹ: ندیم مجید)

ضرورت رشتہ

بیٹی' عمر انیس سال' تعلیم بی ایس سی' مروجہ دینی شعائر کی پابند کے لئے تعلیم یافتہ' برسرِ روزگار اور تنظیمی و اصلاحی فکر رکھنے والے نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: حافظ محمد اشرف چغتائی' فون: 0303-7454244(042)7447134

☆ ☆ ☆

ایم اے ایجوکیشن میں زیرِ تعلیم 21 سالہ لڑکی کے لئے دینی مزاج کے حامل لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ ترجیحاً لاہور کا رہائشی' ڈاکٹر' انجینئر' لیکچرار۔

رابطہ فون نمبر: 6304008

دعائے صحت کی اپیل

تنظیم اسلامی راولپنڈی کینٹ کے دو بھائی جناب نعیم احمد اور جناب شکیل احمد صاحب علیل ہیں' اور دونوں کو Pull TB ہے۔ رفقاء اور قارئین ندائے خلافت سے دعائے صحت کی استدعا ہے۔

دعائے مغفرت

نیو جرسی' امریکہ میں ایک پاکستانی نوجوان (24 سالہ) نبیل صدیقی کو غنڈوں کے ایک گروہ نے شدید زدوکوب کیا۔ اس کے سر پر لوہے کی راڈ سے شدید ضربیں لگائی گئیں۔ نتیجتاً قریباً ایک ہفتہ زندگی اور موت کی کشاکش میں مبتلا رہنے کے بعد 7 ر اکتوبر کو اس کا انتقال ہو گیا۔ نبیل صدیقی مرحوم اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔

☆ تنظیم اسلامی پشاور کے ملتزم رفیق جناب نظام اللہ کے والد صاحب بقضائے الٰہی وفات پا چکے ہیں۔

☆ قافلۂ تنظیم کے ایک سابق شریک جناب محمد اقبال جن کا تعلق ڈسکہ سے ہے' کی والدہ طویل علالت کے بعد انتقال کر گئی ہیں۔

قارئین ندائے خلافت سے مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

JERUSALEM: *The Open City*

Muhammad Asad

The very concept of Jerusalem as an open city (for Muslims, Christians, and Jews) is based on the fact of its sacredness to the three great monotheistic religions – Judaism, Christianity and Islam. In practical terms, this implies that free access to it and freedom of worship within its precincts must be guaranteed to the followers of all these three religions; and it must be safeguarded not merely as a result of "tolerance" on the part of one of these religious communities towards the two others but as an inviolable moral right of each and all of them.

In Islam, this principle is anchored ideologically in the Qur'anic doctrine of the continuity of man's religious experience and of divine revelation. The Qur'an stresses again and again that the faith preached by the Prophet Muhammad is not a "new" one: its fundamental spiritual premises – foremost among them the recognition of God's oneness and uniqueness – are the same as those preached by all of God's prophets since the dawn of man's consciousness. In other words, whether it was Noah, Abraham, Moses, Jesus or Muhammad, all of them postulated man's self surrender to God as the beginning and the end of all true religion. Basing its doctrine on this – to a Muslim – undisputable fact, the Qur'an repeatedly calls upon the Faithful to proclaim: "We believe in God, and in that which has been bestowed upon Abraham and Ishmael and Isaac and Jacob and their descendants, and that which has been vouchsafed to Moses and Jesus, and that which has been vouchsafed to all the [other] prophets by their Sustainer: we make no distinction between any of them" (2:136).

It follows, therefore, that reverence for all the prophets is a basic postulate of Islam, notwithstanding the difference in some of the laws promulgated by them in accordance with the exigencies of their times and their communities' cultural development. Thus, any offence against the person or the memory of any of the earlier prophets constitutes, from the Islamic point of view, an offence against the will of God as revealed through the Qur'an; and to abuse – or even to show lack of respect for – any of those earlier prophets is equivalent to abusing or showing disrespect to the Qur'an itself and to the memory of the Prophet Muhammad, through whom this divine writ was revealed to the world.

Moreover, in the case of Palestine the question of "rightful possession" (as wrongfully propagated by the Jews) appears in yet another dimension. We must not forget that when the Hebrews gradually conquered Palestine in the last millennium B.C., they did not come to an empty country. Long before them, many other Semitic and non-Semitic tribes were settled there – the Amorites, the Edomites, the Philistines, the Moabites, the Hittites, and so on. Those tribes continued living there after the Romans had driven the Jews away in the first century of the Christian era. They are living there – or in refugee camps nearby – to this day: and they are called "Palestinian Arabs". They are a definite ethnic group which is by no means identical with the Arabs of the Arabian Peninsula who conquered Palestine from the Byzantines in the seventh century of the Christian era. Those "Arabian" Arabs were always only a small minority among the population; the overwhelming majority of what we describe today as Palestinian "Arabs" are in reality only the Arabianised, original inhabitants of the country. In the course of centuries many of them became Muslims, others remained Christians; the Muslims among them frequently intermarried with their co-religionists from Arabia; and all of them, Muslims and Christians alike, gradually adopted the Arabic language and merged into the orbit of Arab civilization. In short, the Palestinians – like most of the inhabitants of the present-day Arab world outside the Arabian Peninsula proper – are "Arabs" in the cultural sense only; ethnically, they are direct-line descendants of the original, multi-racial inhabitants of Palestine: original in the sense of having lived there for untold centuries before the appearance of the Hebrews.

To my mind, the answer (to the question of who should be placed in charge of Jerusalem) is clear: only the people who recognize all of the three monotheistic religions – Judaism, Christianity and Islam – as being based on a truly divine revelation; the people who revere all the prophets of those three religions; the people who, by virtue of their own religious doctrine, are prohibited from and therefore utterly averse to reviling anything that is sacred to the two other faiths: only such people can be counted upon to safeguard the three-sided character of Jerusalem.

In conclusion, I may state that since there is no political difference among the Muslim and Christian Palestinians, it follows that the conceivably free Palestine – a state in which Jews, Christians and Muslims could live side by side in full political and cultural equality – the Muslim community should be specifically entrusted with the custody of Jerusalem as a city open to all three communities – and this in pursuance of the Qur'anic call to its followers to defend "monasteries and churches and synagogues and mosques, in [all of] which God's name is abundantly extolled" (22:40). The all-embracing quality of the Islamic faith predispose its followers for this sacred task: and it predisposes them in a deeper, more truly historic sense than could be attained by any resolution of the United Nations, or any fictitious claim based on what happened in Palestine two thousand years ago.

Excerpt taken from *THIS LAW OF OURS And Other Essays* by Muhammad Asad

Vol : 12 Regd. Number LRL - 50 No 38

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore

موسس تنظیم اسلامی و داعیٔ تحریک خلافت پاکستان' ڈاکٹر اسرار احمد کی چند فکر انگیز تصانیف

سیرت النبیؐ کی روشنی میں
اسلامی انقلاب کے مراحل' مدارج اور لوازم
منہج انقلاب نبویؐ
مجلد 200 روپے' غیر مجلد 140 روپے

ایمان کے لغوی اور شرعی معنی' ایمان کا فلسفہ' ایمان و عمل کا باہمی تعلق
اپنے موضوع پر لاثانی تحقیقی و فکری تصنیف
حقیقت ایمان
اشاعت خاص 90 روپے' اشاعت عام 50 روپے

امت مسلمہ کے لئے سہ نکاتی لائحہ عمل اور
نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت
مجلد 60 روپے' غیر مجلد 36 روپے

تحریک پاکستان کا تاریخی و سیاسی پس منظر'
اسلامیان پاکستان کا تہذیبی و ثقافتی پس منظر
اسلام اور پاکستان
مجلد 40 روپے' غیر مجلد 20 روپے

برصغیر پاک و ہند میں
اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل
اور اس سے انحراف کی راہیں
اعلیٰ ایڈیشن 48 روپے

ایک مسلمان کی انفرادی اور اجتماعی
ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
دینی فرائض کا جامع تصور
اشاعت خاص 18 روپے' اشاعت عام 10 روپے

علمی و فکری اور دعوتی و تحریکی کاوشوں کا نچوڑ
علمی خطوط کی نشان دہی
دعوت رجوع الی القرآن
اعلیٰ ایڈیشن 100 روپے

قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکات اور علمائے کرام کے خدشات
شیخ الہند مولانا آزاد اور مسئلہ انتخاب و بیعت امام الہند
جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی
مجلد 120 روپے

قربانی ہماری معاشرتی رسم ہے یا دینی فریضہ؟
عید الاضحیٰ اور فلسفہ قربانی
9 روپے

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی اور مقبول عام دستاویز جس کا
انگریزی' عربی' فارسی اور سندھی میں ترجمہ ہو چکا ہے
مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق
اشاعت خاص 20 روپے' اشاعت عام 10 روپے

سورۃ العصر کی روشنی میں
راہِ نجات
40 روپے

سابقہ اور موجودہ
مسلمان امتوں کا ماضی' حال اور مستقبل
اور مسلمانان پاکستان کی خصوصی ذمہ داری
اشاعت خاص 45 روپے

حدیث قدسی: "الصوم لی و انا اجزی به"
میں مضمر حکمت دین کے اصولوں کی شرح
عظمت صوم
10 روپے

بعثت انبیاء کا اساسی مقصد بعث محمدیؐ کی اتمامی و تکمیلی شان
نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت
اشاعت خاص 36 روپے' اشاعت عام 15 روپے

ڈاکٹر صاحب کے دو خطبات کا مجموعہ
اسلام میں عورت کا مقام
اشاعت خاص 60 روپے' اشاعت عام 30 روپے

مفصل فہرست طلب کیجئے: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' 36K ماڈل ٹاؤن' لاہور۔ فون نمبر 03-5869501